کشمیر کی قدیم راجدھانی

بجبہاڑہ

کشمیر کی قدیم راجدھانی

بجبہاڑہ

از

موہن لال آتش

جملہ حقوق بحق عزیزاں سریندر کول و ویرجی تکو
محفوظ ہیں۔

* نام کتاب : کشمیر کی قدیم راجدھانی۔ بجبہاڑہ
* مصنّف : موہن لال آتش
* سال اشاعت : ۱۹۸۸ء
* پریس : فوٹو لتھو ورکس دہلی
* قیمت : ۷۰ روپے DELUXE EDITION
۴۰ روپے SIMPLE EDITION
* کاتب : ثناءاللہ میر اسلام آباد کشمیر

ملنے کا پتہ
* نیتا پبلشرس۔ بجبہاڑہ کشمیر
* کشمیر کتاب گھر۔ بڈشاہ چوک سرینگر

پیش لفظ

تاریخ قوموں کی فکری اساس کا نام ہے۔ اجتماعی زندگی کے کامیاب اور ناکام تجربے اسی شعبہ علم کی گہرائی میں سما سکتے ہیں۔ ایک انگریز مفکر ZAILER نے کیا خوب کہا ہے:۔

"GOD MANIFESTED HIMSELF IN HISTORY"

خدا نے اپنے کو تواریخ میں جلوہ گر کیا ہے۔ انسانی فکر اور شعور کے ارتقائی مدارج طے کرتے وقت اس بیان کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔ قدرت کا شاہکار تو انسانی وجود ہے۔ تواریخ اسی افضل وجود کی کہانی ہے۔ اس کے معاشرتی، تمدنی، مذہبی، روحانی، اقتصادی و معاشرتی واقعات کا کلینڈر ہے۔

تواریخ نتائج اخذ کرنے کی ایک لیبارٹری ہے۔ یہ کھوٹے اور کھرے کی پہچان کرنے میں دھوکہ نہیں کھاتی۔ یہ ظالم کے چہرے سے نقلی مکھوٹا اتار پھینکتی ہے۔ شہنشاہوں کی گھناونی زندگی کا پردہ فاش کرتی ہے۔ استحصال کرنے والوں اور اجارہ داروں کو ننگا کرتی ہے۔ معاشرتی کشمکش میں ظالم کی سینہ

زوری اور مظلوم عوام کی جد و جہد سب اسی لیبارٹری کی کرشمہ سازی ہے۔

تاریخ انسانی وجود کی گہرائی کو ناپ سکتی ہے۔ دانشمندی، ذہنی، فکری و نظریاتی دیانتداری کو پرکھ سکتی ہے۔

اس لئے نقادوں کا خیال ہے کہ تاریخ کا مطالعہ اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ایک بچے کے لئے ماں کا دودھ، اس کے بغیر ہمیں قومی تشخص، اقدار کی پہچان، عقیدے، رسم و رواج، روحانی زندگی گذارنے کے عملی پہلو، فنون لطیفہ، لوک ادب، آرٹ، دیو مالائی کردار اور علم و دانش کے روشن مینار دکھائی نہیں دیں گے۔ قومی اقدار، حکمرانوں کی فکری بالیدگی کا مطالعہ وہموں و ضعیف الاعتقادی کی بیخ کنی اور شعور کی اٹھان تب تک ممکن نہیں جب تک قوم کی فکری بلوغیت کی آنچ کو جانچ کر نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت پیدا نہ ہو اور یہ صلاحیت تاریخ کے مطالعہ سے ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ تاریخ قوموں کے ملاپ کا نام ہے اور جغرافیہ ملکوں کی تقسیم کاری کا ریکارڈ ہے۔ تاریخ کی کوکھ سے ہی قومی تمہید اور سورما جنم پا چکے ہیں۔ تاریخ کے سینے پر سائینسدانوں، مفکروں، فن کاروں، ادیبوں، دانشوروں کے تجربات کندہ ہوتے ہیں۔ جغرافیائی تبدیلیاں مثلاً ملکوں کی تقسیم، نئی

سرحدوں کے خدوخال، بھونچال وسیلاب کے تباہ کن اثرات، فاتح قوموں کی مفتوح قوموں پر ثقافتی یلغار، طبقاتی کھچاو، جنگ وجدل کے دلخراش مناظر، راج محلوں کی گھناونی زندگی کی کہانیاں، قومی تحریکوں کی کامیابی اور ناکامی، خدا دوستوں، قلندروں، رشیوں، منیوں، شہیدوں کی حیات اور قومی رہنماوں کے کارنامے سب تاریخ کے دائیرہ عمل میں شامل ہیں۔

مختصراً تواریخ کائینات کے ارتقاء کی کہانی ہے اور قوموں کے اتار و چڑھاو کی سچی تصویر ہے۔

تاریخی واقعات مختلف ماخذوں کے قلب وجگر میں چھپے ملتے ہیں۔ ان گوہروں کو تلاش کر کے ایک مالا میں پرونا ایک مؤرخ کا کام ہے۔ واقعات کی سچائی کو غیر متعصب ڈھنگ سے جانچنا اور پیش کرنا تاریخی دیانتداری کا ایک سنہری اصول ہے۔ تاریخ کی بنیاد مطالعہ و مشاہدہ کے دو اہم ستونوں پر کھڑی ہے۔ جن میں فلسفہ، ادب، قدیم قلمی نسخے، سفرنامے، روزنامچے، لوک کہانیاں، کتبے اور فنونِ لطیفہ وغیرہ کا مطالعہ کرنا اور تاریخی عمارات، کھنڈرات، مصوری کے نمونے، توارِدات، سکے، مہریں، اوزار، آلات کشاورزی و رہن سہن کے طور طریقوں کا مشاہدہ کرنا شامل ہے۔ ان ہی ذرائع کو مشعلِ راہ بنا کر راقم نے اس

کٹھن اور پُرخار موضوع پر قلم اٹھانے کی جسارت کی۔

بجبہاڑہ کی مٹی میری ماں ہے۔ میں اس مٹی میں پلا، بڑا اور جوان ہوکر شعور کی دہلیز پر قدم رکھنے کے قابل ہوا۔ اس ماں کی عظمت آج تک قلمبند نہیں ہوئی ہے۔ میں نے اس ممتا کی مورت پر اپنی عقیدت نچھاور کی ہے۔ اس طرح میں نے اپنا فرض نبھایا کسی پر کوئی احسان نہیں کیا۔

میرے اس شوق تجسس کو ابوالفقراء حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کی عشق و محبت نے حرارت بخشی۔ للّ دید کی مادرانہ شفقت نے سہارا دیا۔ پلاس مین رشی، غفار صاحب اور اکبر صاحب جیسے رند سرمستوں نے تخیل کی وادیوں میں گھما کے محو حیرت کر دیا۔ وجیانند کھیم راج اور مہتاب کاک کی روحانی پاکیزگی نے مشعل کا کام کیا نتیجہ کے طور پر ڈھائی ہزار سال کی یہ کہانی ان ہی بزرگوں کے طفیل مکمل ہوئی ورنہ ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہ کتاب میرے کئی برسوں کی محنت کا پھل ہے ادھر ادھر بکھرے موتیوں کو اکٹھا کرنے میں سالہا سال لگ گئے تب کہیں جاکر یہ کہانی ایک کتابی صورت اختیار کر گئی۔ ممکن ہے کہ اس میں کہیں بھول چوک ہوئی ہو۔ صاحبِ ذوق حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اسکی طرف اشارہ کریں۔

○

مجھے الفاظ نہیں ملتے کہ میں اُن دوستوں کا شکریہ کیسے ادا کروں جن کے پُرخلوص مشوروں اور عملی معاونت سے یہ ناچیز کوشش آپ تک پہنچ سکی۔ ادبی دنیا کے ہم سفروں میں پیارے دوست غلام نبی آتش کا ذکر پہلے آتا ہے جنہوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود میرے مسودہ کا مطالعہ کر کے مجھے اپنے نیک مشوروں سے سرفراز کیا۔ ڈاکٹر مرغوب بانہالی (ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ، شعبہ کشمیری، کشمیر یونیورسٹی) اور شری ارجن دیو مجبور کا میں از حد مشکور ہوں جنہوں نے بجبہاڑہ سے متعلق اپنے دو کشمیری مضامین بھیج دیئے جن کا ترجمہ راقم نے شامل مسودہ کیا۔

پیر شریف الدین سہروردی امام جامع مسجد اسلام آباد ایک دلنواز و پاکیزہ شخصیت ہی نہیں بلکہ ایک مخلص دوست اور باادب سلیقہ مند ساتھی بھی ہیں انہوں نے مجھے اپنی ذاتی لائبریری سے استفادہ حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا جس کے لئے میں سہروردی صاحب کا ممنونِ احسان ہوں۔

میں اپنے استاد محترم عبدالغنی صوفی منیجر سپر بازار اننت ناگ کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جن کے فیض کرم سے میں قلم ہاتھ میں تھامنے کے قابل ہوا۔ جوتشی کاشی ناتھ شرما بجبہاڑہ نے اپنی بے حد مصروف زندگی میں سے وقت نکال کر حوالہ جات اکٹھا کرتے میں جو میری مدد کی ہیں اس کے لئے جوتشی جی کا از حد شکرگذار ہوں۔

میرے ماموں جان شری آر سی رینہ سینیئر ڈویژنل منیجر (یونائیٹڈ انشورنس کمپنی) کے تئیں میرے دل میں پیار کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے

کیونکہ انہوں نے ہی میرے دل میں یہ منصوبہ ہاتھ میں لینے کی تحریک پیدا کی۔

عبدالغنی بٹ۔ ایڈوکیٹ زیرہ پارہ (بجبہاڑہ) میرے عزیز دوست ہی نہیں بلکہ ہمدم و ہمراز ساتھی بھی ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ ایسے دوستوں کا شکریہ ادا نہیں کیا جاتا پھر بھی بٹ صاحب کے حق میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس نیک سیرت و مخلص دوست کا دست تعاون شامل حال نہ رہتا تو شاید یہ مسودہ میری لائبریری کے کونے میں پڑھ کر کب کا کرم خوردہ بن چکا ہوتا۔

راقم اپنے دوستوں غلام حسن الائی (کوآپریٹو اکونٹنٹ) نذیر احمد خاکی (ٹیچر) محمد عبداللہ ڈار سرو (لیکچرار)، غلام حسن مانتو (ٹیچر واگہ ہامہ) اور گل محمد میر دکتری ٹننگ) کا بے حد مشکور ہوں۔ جنہوں نے میرے اس مسودہ کی خوشخط نقل کئی راتوں کی شب بیداری کے بعد تیار کر لی۔ اور کتاب کی موجودہ صورت ان ہی دوستوں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

خلوص کیش

موہن لال آتش

بجبہاڑہ، کشمیر

اپریل ۱۹۸۸ء

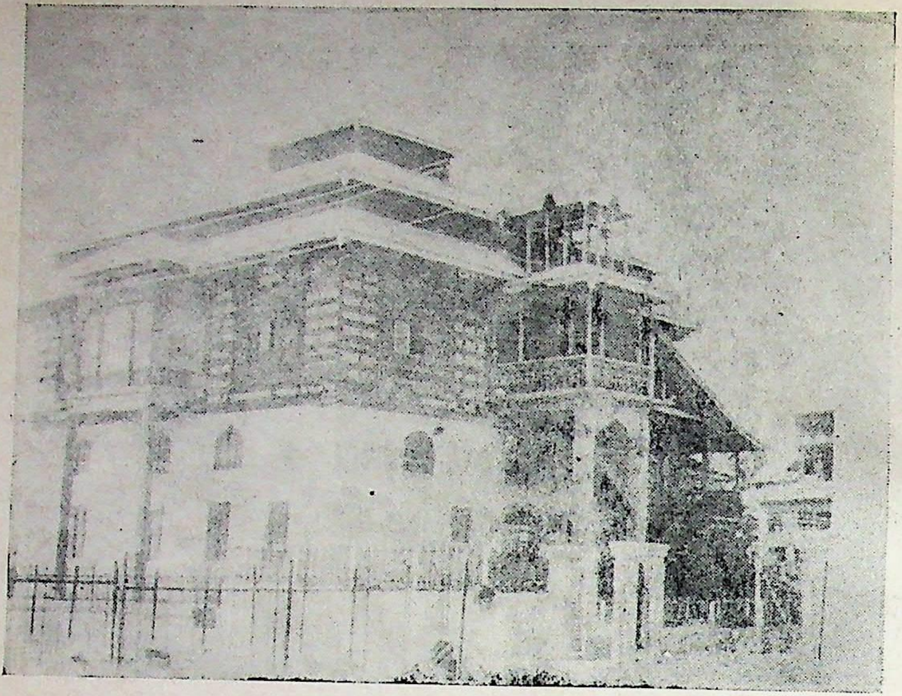

خانقاہِ معلّیٰ حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ

دربار
فیض پناہ
حضرت بابا
نصیب الدین
غازیؒ

مغلیہ دور کا شاہی محل

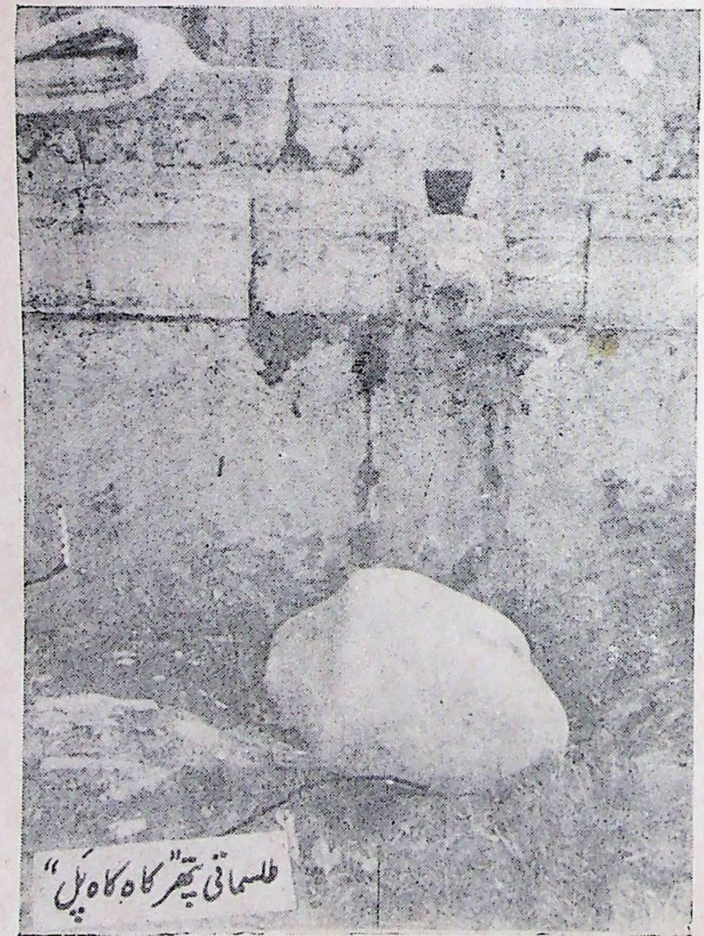

طلسماتی پتھر "کاہ کاہ پل"

بجبہاڑہ

میں کشمیر کے حسن اور پاکیزگی کہاں تک بیان کروں۔ روئے زمین پر اس جنت جیسی جگہ جنم لینے والے کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ یہاں وِتستا ناگوں اور آریہ لوگوں کو اپنی کوکھ میں پالتی ہے۔ یہاں سرسوتی (علم و دانش کی دیوی) کے ورشن سخنور اپنی سریلی شاعری میں کرتے ہیں۔ اس سرزمین پر وجبیشور، چکردھر اور گیشو وغیرہ عظیم مقامات قابلِ دید ہیں۔ جو ملک ایسی عظمت رکھتا ہو اس کو تلوار کے زور سے نہیں بلکہ علم و عمل سے ہی فتح کیا جاسکتا ہے۔ کشمیر واسی دشمن سے نہیں بلکہ بُرے اعمال سے ڈرتے ہیں (کلہن، دیباچہ راج ترنگنی)

بجبہاڑہ کا قدیم تاریخی نام وجبیشور ہے۔ بدھ دور میں اسے "وجے ہار" کہا جانے لگا۔ کشمیری زبان میں اس کو "ویجہ برور" کہا کرتے ہیں۔ یہ نام وجبیشور کی بگڑی ہوئی صورت دکھائی دیتی ہے راج ترنگنی کے ترجمہ کار ایم۔ اے سٹین نے لفظ "برود" کی

تشریح اس طرح کی ہے کہ "برور" سنسکرت لفظ "بھٹارک" سے نکلا ہے۔ جس کے معنی دیوتا ہیں اور "برار" لفظ سے مراد دیوی ہے یعنی دیوی دیوتاؤں کے رہنے کی جگہ۔

بجبہاڑہ کا تفصیلی اور اجمالی تذکرہ قدیم ترین مذہبی، نیم مذہبی، تاریخی اور ادبی کتابوں میں ملتا ہے۔ مثال کے طور پر "ونے کا سفرنامہ"، "السن کی ہینڈ بک"، نیل مت پوران، راج ترنگنی، ہرچرت چنتامنی، وجیشور مہاتم، ونستا مہاتم، امریش مہاتم، آئین اکبری وغیرہ۔ دور جدید میں تاریخ حسن اور سعداللہ میر شاہ آبادی کی باغ سلیمان سے لے کر فدا محمد حسنین کی کتاب "کرائیٹ ان کشمیر" تک جتنی بھی تواریخی کتب تصنیف ہوئی ہیں اُن میں اس مشہور قصبے کا تذکرہ موجود ہے۔ ویسے تو قدیم ترین تواریخی اور نیم تواریخی کتب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بجبہاڑہ میں آبادکاری کا عمل قدیم زمانہ سے شروع ہو چکا تھا

ونستا مہاتم کے ترنگ ۸ شلوک ۱۶، ۱۷، ۱۸ میں درج ہے "کشب رشی نے جس چکر کے ذریعے جلودبھو راکشس (دیو) کو مارا۔ وہ چکر زبردست گھماؤ کی وجہ سے آگ کے گولے میں تبدیل ہوا۔ دیو کے مرنے کے بعد جس جگہ پر یہ چکر رک گیا وہ جگہ چکردھارا (چکدر) کے نام سے موسوم ہوگی"۔ ۱۶

سارے دیوتا اور برہمن خشک زمین دیکھ کر جھومنے لگے وہ
کشپ رشی اور شنکر مہاراج کی جے جے کار کرنے لگے۔ شلوک ۱۷
دیوتاؤں اور برہمنوں کی جے جے کار سن کر شنکر مہاراج ان
پر بہت خوش ہوئے۔ ان ہی "جے" اور "وجے" پہاڑیوں کے
درمیان ایک خوبصورت اور مقدس تیرتھ "وجیشور" وجود میں آگیا
یہاں سکھ اور شانتی کا راج ہے۔ لوگوں میں حرص، طمع، حسد
اور غرور کی بو تک نہیں۔ یہاں اصول پرست بزرگ رہتے ہیں
(شلوک ۱۸)

ساہتہ پرکاش کا ایک شلوک

جہاں کوئی پریشانی نہیں۔ دکھ اور مصیبت کا نام نہیں
جہاں قناعت اور خواہشات پر قابو پانا، شانتی اور
سکون عام سی بات ہے۔ جہاں نیک اور تپسوی (عابد)
رشی دن رات یادِ الٰہی میں مگن رہتے ہیں۔ اسی
وجیشور میں فرشتے جنم لینے کو کوشاں رہتے ہیں۔

○

کشمیر کی قدیم راجدھانی

گونند خاندان کے چھٹے راجا سچی نر نے ۹۹۴ قبل مسیح چکر دھر کریوہ کے اردگرد ایک خوبصورت شہر کی بنیاد ڈالی۔ کلہن کے مطابق یہ شہر اتنا عالیشان اور خوبصورت تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ لمبی چوڑی سڑکیں، لعل و جواہرات بیچنے کی دکانیں، خوشنما باغات، پھل دار درختوں اور خوبصورت پھولوں کی کیاریاں جو چاروں طرف مہک بکھیرتی تھیں، بڑی کشادہ سرائیں، راجا اور وزیروں کے عالیشان محل، پانی کے جھرنے یہ سب مل کے ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے زمین کے اس ٹکڑے پر جنت تعمیر کی ہو۔ اسی شہر کے ایک خوبصورت صاف و شفاف تالاب کے پاس ایک ناگ "سشرووس" نام کا رہتا تھا۔

ایک دن کی بات ہے۔ تھکا ماندہ برہمن لڑکا شدت کی گرمی سے ستایا ہوا تالاب کے کنارے آ بیٹھا۔ جہاں گھنے پیڑوں کا سایہ تھا۔ اچانک برہمن لڑکے کی نظر دو حسین و جمیل لڑکیوں پر پڑی جو شالی کے کھیت میں خود رو گھاس (کرشے) کھاتی تھیں۔ لڑکے نے ان سیمیں بدن حسیناؤں سے اس کی وجہ پوچھی تو وہ شرما کر کہنے لگیں۔ اس کی وجہ آپ ہمارے

پتا جی سے پوچھیئے جو ماہِ جیٹھ کی بارہویں تاریخ کو "تکشاکھ ناگ" کے درشن کے لئے آنے والے ہیں ۔ جیٹھ ماہ کی بارہویں تاریخ کو باپ اپنی دونوں بیٹیوں کے ہمراہ آن پوچھا ۔ برہمن لڑکا جس کا نام ویشاکھ تھا بھی شوق تجسس لئے پہنچ گیا اور لڑکیوں کے باپ سے استفسار کیا کہ آپ کون ہیں ؟ اور یہ کیا معاملہ ہے ۔ بوڑھے نے کہا ۔"میں ناگوں کا راجا ششروس ہوں اور یہ میری دو بیٹیاں ہیں" ناگ راج نے مزید کہا کہ " اس پیڑ کے نیچے ایک لمبے بالوں والا آدمی بیٹھا ہے اس کا نام مانترک ہے اور ہمارا سردار ہے جب تک وہ خود نیا دھان نہیں کھاتا ہم بھی دھان کا ایک خوشہ تک نہیں کھا سکتے " ویشاکھ جو ہسین بھی تھا اور نڈر بھی ، کسی نہ کسی طرح ناگ سردار مانترک کو نیا دھان کھانے پر مجبور کر گیا اور اس کا غرور توڑنے میں کامیاب ہو گیا ۔ ششروس بہت خوش ہوا کیونکہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ نیا دھان استعمال کر سکتے تھے صلے کے طور پر ششروس نے اپنی ایک خوبصورت بیٹی چندر لیکھا کی شادی ویشاکھ کے ساتھ رچائی ۔ ویشاکھ چندر لیکھا کو لیکر گھر بسانے لگا ۔ ایک دن ویشاکھ نے آنگن میں دھان سکھانے کیلئے ڈال دی تھی ۔ خود کسی ضرورت سے باہر گیا ۔ ایک گائے کا آنگن سے گذر ہوا ۔ آتے ہی وہ دھان کھانے لگی ۔ چندر لیکھا آواز دے دے

کر گائے کو بھگانا چاہتی تھی ۔ گائے بھی کب بھاگنے والی تھی ۔ اپنے کام پر جمی رہی ۔ مجبور ہو کر چندر لیکھا آنگن میں نکل آئی ۔ راجا کے مخبروں نے اس پری وش کی تعریفیں راجا تک پہنچائیں ۔ راجا نے اپنے آدمیوں کو چندر لیکھا کے یہاں روانہ کر دیا (یہ راجا بُرے آدمیوں کی صحبت میں رہ کر انتہائی شہوت پرست بن گیا تھا) ۔ چندر لیکھا کے صاف انکار پر راجا آگ بگولا ہو گیا اور خود وِشاکھ کے پاس جا کر کہا ۔ آپ کو چندر لیکھا جیسی حسن کی ملکہ میرے حوالے کر دینی چاہیئے ۔ میں تم کو مال و دولت سے مالا مال کر دوں گا ۔ وِشاکھ نے نہ صرف راجا کو گھر سے نکال دیا بلکہ اس کی بے عزتی بھی کی ۔ بادشاہ نے آؤ نہ دیکھا تاؤ فوراً وِشاکھ کے گھر پر حملہ کروایا ۔ حملے کے دوران وِشاکھ انتہائی پھرتی سے نکل جانے میں کامیاب ہو گیا اور واقعے کی خبر اپنے سسر شُشرَوَس تک پہنچا دی ۔ ناگ نے جوں ہی یہ خبر سنی وہ غصے سے لال پیلا ہو کر سارے چکردھر پر اولے برسانے لگا ۔[1] شُشرَوَس ناگ کی بہن "رمتی" اپنے گھر پروکندرا سے نکل آئی اور شہر پر پتھر

ताभ्यामभ्येत्य वृत्तान्ते ततस्तस्मिन्निवेदिते
क्रोधान्धः सरसस्तस्मादुज्जगाम फणीश्वरः
258
दुग्धाब्धिच्छावलं तेन सरो दूरगिरौ कृतम्।
अमरेश्वर यात्रायां जनैरद्यापि दृश्यते
267

برسانے لگی۔ اس طرح سارا شہر تباہ و برباد ہوا۔ عمارتیں زمین بوس ہو گئیں۔ آدمی، حیوان، پرندے تباہ ہو گئے۔ لوگ خوف کے مارے چکردر مندر میں پناہ گزین ہو گئے۔ مگر ششروس نے مندر کو بھی نذرِ آتش کر دیا۔ اس طرح ہزاروں بے گناہ موت کے منہ میں جا گرے۔ راجا سچی نر اور اس کے محلات کا نام و نشان مٹ گیا اس خطرناک تباہی سے گویا سارا چکردھر زمین سے غائب ہی ہو گیا ششروس ناگ اور ویشاکھ کی ملاقات زیون نام کے تیرتھ پر ہوئی تھی جو چکدر کی تباہی کا موجب بنی۔ شہر کو تباہ کرنے کے بعد لاشوں کے ڈھیر دیکھ کر ششروس نے بہت پچھتایا۔ پھر کفارہ ادا کرنے کی غرض سے اپنی بیٹی کے لئے ایک تالاب بنوایا[۱]۔ جس کا نام "جاماتر ناگ" یعنی "زاماتری ناگ" رکھا۔ یہ آج بھی چکدر

---

[۱] श्वशुरानुग्रहान्नागी भूतस्यापि द्विजन्मनः।
जामातृसर इत्यन्यत्तत्र च प्रथितं सरः ॥
268 प्र० स०
अद्यापि तत्परं दुग्धं श्वभ्रीभूतं च तत्सरः।
उपचक्रधरं दृष्ट्वा कथेयं स्मर्यते जनैः
270 प्र० स०

پہاڑی کے دامن میں واقع ہے مگر اب سوکھ گیا ہے۔[1]

کلہن چکدہ کے کھنڈرات دیکھ کر خون کے آنسو بہاتا ہے" چکردھر جس کے کھنڈرات آج بھی یہاں موجود ہیں۔ راجہ سچی نر کے گناہوں کی منہ بولتی تصویر ہے۔ کچھ کوتاہ نظر لوگوں کے سامنے بادشاہوں کی شہوت پرستی معمولی بات ہے مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ جب قہر الٰہی ان بدنصیب راجاؤں کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے تو اس کا انجام یہی ہوتا ہے (کلہن، راج ترنگنی، ترنگ اول، شلوک ۲۷۲)

اس ہولناک تباہی اور افراتفری میں ایک وفادار دایہ نے سچی نر کے بیٹے "سدھ" کو وجیشور میں چھپایا تھا۔ راجہ سچی نر کی موت کے بعد ۹۹۵ قبل مسیح راجہ سدھ تخت نشین ہوا۔ یہ خدا دوست ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی عقلمند اور معاملہ فہم تھا۔ اس نے تباہ حال شہر کی سر نو تعمیر کرنے اور وجیشور کے مقدس تیرتھ

---

[1] تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ یہ چشمہ چکدرہ میں نہیں بلکہ امرناتھ یاترا کے تیسرے پڑاو پر واقع ہے اور اس کا نام ششیش ناگ ہے۔

ON THE ROUT OF THE PELGRIMAGE TO AMARNATH ON THE MOUNTAIN TOP. THERE IS A LAKE WHICH ACCORDING TO THE LIGEND IS THE LAKE OF SUSRAVAS IT IS NOW CALLED SESANAG (Rt/BY R.S PANDIT PAGE 38)

کو سنوارنے اور بنانے میں اپنا سارا دھیان صرف کیا۔ راجہ سیدھ سادہ زندگی گذارنے اور اپنا بیشتر حصہ یادِ الٰہی میں صرف کرتا تھا اس نے راجہ نر کے خاص آدمیوں کو عبرت ناک سزائیں دیں۔ کلہن ان بداعمال امیروں کے خوفناک انجام پر اپنی مسرت کا یوں اظہار کرتا ہے " گھاس کا ایک تنکا جب (شہوت ولذات) کے کنویں میں گرتا ہے تو بالٹی اس تنکے کو کنویں کی تہہ تک لے جاتی ہے مگر جب یہی تنکا پھول سے چپک جاتا ہے تو دیوتاؤں کے سر پر چڑھتا ہے۔

(راج ترنگنی، کلہن، شلوک ۲۸۴، باب اول)

مہر گل گونند خاندان کا بارھواں راجا مہر گل ۷۰۰ قبل مسیح تخت نشین ہوا۔ یہ انتہائی ظالم، بے رحم اور بقولِ کلہن گدھوں، گیدڑوں اور چیلوں (جو گوشت خور جانور ہیں) کا دوست تھا۔ اس ظالم حکمران نے لنکا سے کشمیر تک تقریباً ۳ کروڑ لوگوں کا قتل عام کیا اِس لئے اس راجہ کو " تر تیا تیھا " کے برے نام سے پکارتے تھے۔ زندگی کے آخری دنوں میں اپنے کئے پر بہت پشیمان ہوا اور سرینگر میں " مہیشوری " نام کا ایک مندر تعمیر کیا۔ اس کے ساتھ اس نے کچھ گاؤں (اگر ہار) برہمنوں میں خیرات کے طور بانٹے

اور وجبیشور کے شہر سے برہمنوں کو بلوا کر کفارہ ادا کرنے کے لئے ان میں دل کھول کر انعام واکرام بانٹتا۔ یہاں کلہن جو برہمنوں کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اس رسوائے عالم راجہ کے ہاتھ خیرات لینا ہتک آمیز سمجھتا ہے اوران الفاظ میں ان کوتاہ اندیش برہمنوں کی بُرائی کرتا ہے: "گاندھار دیش[۱] (وجبیشور) سے آئے ہوئے برہمنوں نے راجا کے تحفے وصول کئے۔ وہ (برہمن) بھی اس بدکردار راجہ کے چال چلن والے تھے۔ بے شک ان (برہمنوں) کے برابر کون کمینہ اور بد خصلت ہوسکتا ہے۔ ایک مور گھنے کالے بادلوں کو پسند کرتا ہے۔ اس کے برعکس ایک ہنس کھلے اور نیلگوں آسمان کو دل سے چاہتا ہے۔

آخر پر مہرکل نے وجبیشور کے تیرتھ پر ایک ہزار گاؤں برہمنوں کو وہاں دیکر خود کو دہکتے ہوئے شعلوں میں خاکستر کر دیا۔

अत एवाग्रहाराणां सहस्रं प्रत्यपादयत् ।
गान्धार देशजातेभ्यो द्विजेभ्यो विजयेश्वरे ॥ 314- प्र० स०

येनागेन रूषा प्लुष्टे नगरे प्राभवन्खशः
तेषां नाम्नाय वृत्तांतं पूर्वोक्तं जगदुः परे ॥
317 प्र० स०

[۱] گاندھار، ہندوستان کے شمال مغربی حصے کو کہتے ہیں۔ جہاں عالم، رشی اور ویداچاریہ لوگ رہتے تھے۔ کلہن کے پاس وجبیشور کی حرمت اتنی زیادہ تھی کہ وہ وجبیشور کو بھی "گاندھار" کہہ کر یاد کرتا ہے کیونکہ یہاں بھی رشی، عالم اور بزرگ لوگوں کا رنواس تھا

گوپادتیہ گونند خاندان کا راجا گوپادتیہ ۳۷۱ قبل مسیح میں تخت نشین ہوا۔ یہ عالم، نیکوکار اور علم دوست راجا تھا۔ اس راجا نے وجبیشور کو علم و ادب کے مرکز میں تبدیل کیا۔ اس نے ملک کے دوسرے علاقوں سے نامور، قابل اور عالم برہمنوں کو بلاکر وشیچکا (موجودہ وچی) اور دوسرے گاؤں میں بسایا اور اُن برہمنوں کو ملک بدر کیا جو کم علم، بے عمل اور بری چیزیں مثلاً شراب اور لہسن کا استعمال کرتے تھے۔ اس نے بسیار خور اور خالص مادی لذتوں کا لطف اٹھانے والے برہمنوں کو وجبیشور کھیتر سے جلا وطن کیا۔ اس طرح وجبیشور پہلی بار شہنشاہوں اور وزیروں کی حیوانی جبلتوں کی کشمکش سے آزاد ہوکر ایک علمی و ادبی مرکز کے طور اُبھر آیا اور شاید اسی راجہ کے دورِ حکومت میں کشمیر کی پہلی یونیورسٹی (وشو ودھیالیہ) کا قیام وجبیشور میں عمل پذیر ہوا کلہن صرف اسی راجا کے نام کے ساتھ "عظیم رہنما" استعمال کرتا ہے، شاید وہ اس راجا کے قابلِ قدر علمی انقلاب سے متاثر ہوا تھا۔

گونند خاندان کے بعد وکرمادتیہ خاندان کی حکومت شروع ہوئی

وجیانند اس خاندان کے مشہور راجا وجیانند (۶۹ق م) نے وجبیشور مندر کے ارد گرد ایک شہر کی بنیاد ڈالی اسے پہلے وجبیشور خالص ایک مذہبی مقام تھا اور اس کی زیارت

کرنے والوں کے لئے مندر کے چاروں طرف بے شمار سرائیں اور دھرم شالائیں بنی تھیں، جہاں مسافر پروہت، دیو داسیاں، اور دوسرے کارکن رہائش پذیر ہوتے تھے۔ شہر کی تعمیر سے وجیشور کی تاریخی اہمیت میں کافی اضافہ ہوا۔ اب دوسرے راجاؤں نے بھی یہاں اپنے لئے محلات تعمیر کئے کیونکہ اکثر شہنشاہ وجیشور میں ہی زندگی کے آخری ایام ذکر الٰہی میں گذارتے تھے۔[۱]

سندھی مت

وکرمادتیہ خاندان کا آخری راجہ سندھی مت (۸۲ ق م) میں تخت نشین ہوا۔ یہ نیک اور پارسا حکمران تھا۔ بقول کلہن "سندھی مت معرفت حق کا گنجینہ ہے" اس پارسا کا دل نخش عورتوں اور رقاصاؤں کے بجائے گھنے جنگلوں، برف سے ڈھکی چوٹیوں اور بل کھاتی ندیوں سے اٹھکیلیاں کرتا تھا اس کی حکمرانی کا دور امن وسکون کا تھا۔ نہ کوئی بغاوت ہوئی اور نہ رعایا پر کوئی ناگہانی مصیبت آن پڑی۔ راجا اکثر بھوتیش، وردھانیش اور وجیش

हरायतनसोपानशाल नाम्न: कणाश्रितै:
संस्पृष्ट: पवनै: सोऽभूदामन्दस्पन्द विग्रह:
पूर्वपूजापनयनै निराडम्बर सुन्दर:
तेनैव द्रष्टुमज्ञायि स्नपितो विजयेश्वर:

[1] THEN BORN IN ANOTHER FAMILY VIJAYA WAS KING FOR EIGHT YEARS. IT WAS HE WHO BUILT THE TOWN ROUND VIJAYESVARA.

(وجیشور) کے مندروں میں جاکر عبادت الٰہی میں محو رہتا تھا۔ وجیشور مندر کی سیڑھیوں کو یہ خود صاف کرتا تھا اور جب پانی کی چھینٹیں اس کے شاہی لباس اور بدن کو چھوتی تھیں تو راجا فرطِ مسرت سے گم سم ہوتا تھا اور جب نہلاتے وقت وجیش کے درشن راجا کو نصیب ہوتے تو جوشِ جذبات میں راجا کے آنسو نکل آتے۔

مگر راجہ کی حد سے زیادہ ریاضت اس خاندان کی تباہی کا باعث بن گئی کیونکہ بقول کلہن راجا یہ بھول گیا کہ حقیقت لم یزلی کے ساتھ اپنی وابستگی رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کے کندھوں پر ایک ریاست کے انتظام کا بوجھ بھی ہے اور جب گونند خاندان کا راجہ میگواہن تخت حاصل کرنے کے لئے شہر پر حملہ آور ہوا تو راجہ نے کوئی مزاحمت نہ کی اگرچہ اُس کے پاس طاقتور فوج تھی۔ اس نے اپنے آپ سے سوچا "الٰہی حکم کے آگے مجھے سرِخم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ایشور مجھے زندگی کی حقیقت سمجھنے کا بھرپور موقع فراہم کر رہا ہے۔" ایسا سوچتے ہی راجا نے تاج و تخت چھوڑ دیا

چندر پیڈ کارکوٹ خاندان کا تیسرا راجا چندر پیڈ ۶۸۲ عیسوی میں تخت نشین ہوا۔ اس کی رانی پرکاش دیوی نے وجیشور میں "پرکاش وہار" تعمیر کروایا تھا اور چندر پیڈ کے گرو مہر دتیہ نے "گمبھیر سوامن" مندر بنوایا۔ یہ مندر موجودہ سنگم کے پاس

تعمیر ہوا تھا۔ جہاں دریائے ویشو اور دریائے جہلم آپسمیں ملتے ہیں۔
خیال کیا جاتا ہے کہ گمبھیر سوامن کا مندر دریا کے زیادہ قریب تعمیر ہوا
ہوگا کیونکہ سٹین نے لکھا ہے کہ جب میں نے سنگم کا معائینہ کیا تو وہاں
زمین پر مندر کے آثار دکھائی نہیں دیئے۔ ممکن ہے کسی تیز طوفانی
سیلاب نے مندر کی بنیاد کو نقصان پہنچا کر مندر کے نشان تک مٹا دیئے
البتہ دریا کے کنارے پرانے پُل کے نشان اب تک باقی ہیں جس سے
اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دریا کے مغربی کنارے پر کبھی مندر کھڑا تھا۔

للتادت خاندان کارکوٹ کا عظیم المرتبت راجا جسے ہندوستان کا
نپولین کہا جاتا ہے للتادت مکتا پیڈ تھا جو سنہ ۶۹۵
عیسوی میں تخت نشین ہوا۔ اپنی بے شمار فتوحات کے علاوہ اس راجا نے
بہت سے شہر بسائے۔ مندر تعمیر کئے، دھرم شالائیں اور مسافر خانے
بنوائے۔ سڑکوں پر سایہ دار درخت لگائے۔ مارتنڈ کا مشہور زمانہ
مندر تعمیر کیا جو فن سنگ تراشی کا بہترین نمونہ تصور ہوتا ہے۔ اس کے
علاوہ للتادت نے چکدر میں وتستا کے بہاؤ کو کم کرنے کے لئے دریا کو
کئی حصوں میں تقسیم کیا۔ اور کئی نہریں کھدوائیں اور ارہٹ (دولاب)
کے ذریعے کئی دیہات کو پانی مہیا کیا۔

ततोऽन्यकुलजो राजा विजयोऽष्टावभूत्समाः।
पत्तनेन परीतं यश्चकार विजयेश्वरम्॥
रा० त० ६२.

اونتی ورمن یہ راجا ۸۵۷ عیسوی میں تخت نشین ہوا۔ زمانہ قدیم کے تاریخی آثار للتادت کے بعد اس راجا کے آج بھی اپنی عظمت کی کہانی دھرا رہے ہیں اونتی ورمن کے وزیرِ اعظم مہودے سوامن نے مرہامہ گاؤں میں (تحصیل بجبہاڑہ کا سب سے بڑا گاؤں) مہودے سوامن مندر بنوایا۔ مرہامہ میں ہی ایک دارالعلوم بنوایا جہاں دُور دراز سے طلباء حصولِ علم کے لئے آتے تھے۔ اونتی ورمن نے وجیشور میں مکتا شوری اور تریری شوری نام کے دو استھاپن تعمیر کروائے۔ تریری شوری کا استھاپن چند سال پہلے تک موجود تھا مگر بعد میں اس جگہ پر ایک عمارت کھڑی کی گئی۔

شنکر ورمن اونتی ورمن کے بعد شنکر ورمن ۸۸۴ عیسوی میں تخت نشین ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس راجا نے سماج دشمن لوگوں کی صحبت میں رہ کر تمام خانقاہوں کی جاگیریں ضبط کیں۔ مندروں پر تالے چڑھائے۔ عالموں اور ادیبوں کی بے عزتی کی۔ بیگار کا طریقہ رائج کیا، اور عوام کو ٹیکسوں کے بوجھ سے آزاد کیا۔ اس دورِ ظلمات میں وجیشور میں رہ رہے عالموں اور ادیبوں کی بے عزتی کی۔ عالموں اور برہمنوں کو انتہائی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر پر جب راجہ اُڑیسا سے واپس شہر کی طرف آرہا تھا تو ایک ڈھلوان سے کسی نے راجہ پر تیر پھینکا جو اُس کے گلے میں اٹک گیا اور وہ راستے

میں ہی ایک مسافر کی طرح جاں بحق ہوا۔ اس پر کلہن لکھتا ہے۔ جو راجہ دولت کے لالچ میں اندھا بن جائے جو عالموں اور علم دوست لوگوں کی عزت نہ کرے۔ اس راجا کا یہی حال ہوتا ہے۔ تنکر ورمن کی مثال اس ہاتھی سماں ہے جو پہلے صاف ستھرے پانی سے نہاتا ہے پھر دنیا بھر کی مٹی اور کیچڑ اپنے اوپر ڈالتا ہے۔

چکرورمن ۹۲۴ عیسوی میں تخت نشین ہوا۔ یہ راجہ انتہائی شہوت پرست، رعایا دشمن، دن رات شراب کے نشے میں دُھت رہنے والا اور حسین و جمیل عورتوں کی صحبت میں رہتا تھا۔ اس پر طُرّہ یہ کہ راجا کے وزیر انتہائی شاطر اور چالاک ہونے کے باعث راجا کو گناہ کے دلدل میں پھنسانے کے نت نئے حربے استعمال میں لاتے تھے۔ جب راجا نے اچانک چکدر میں ایک خانقا تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا تو کلہن اپنی حیرت کا اظہار کرتا ہے۔ چکرورمن جیسے گنہگار کا چکدر میں ایک سرائے تعمیر کرنا تعجب کی بات ہے۔

یشوکر ۹۳۹ عیسوی میں تخت نشین ہوا۔ کلہن اس راجا کی علمی قابلیت اور اس کے وزیروں کی دانائی اور علمی صلاحیت

کا اعتراف کر کے بیان کرتا ہے کہ جاہل، کم عقل اور ناخواندہ لوگوں کو اس کے دربار میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ اس راجا نے اپنے پیشرؤں کی زمین حاصل کر کے اس پر ایک عظیم الشان درسگاہ کی بنیاد ڈالی جہاں میدانی علاقے سے طلباء علم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے اس راجا کے ایک وزیر دیو پرساد سے ایک دفعہ راجا کی شان میں گستاخی ہوئی اس پر وزیر اتنا شرمندہ ہوا کہ اس نے وجیشور مندر میں شاہی تلوار رکھ کر خودسوزی کی۔

اننت ۱۰۲۹ عیسوی میں تخت نشین ہوا۔ اس راجا کے دورِ حکومت میں بجبہاڑہ مقدس تیرتھ کے بدلے سیاسی اکھاڑے میں تبدیل ہوا اور اسی راجہ کے بن باس کے دنوں میں کشمیر کی شہرۂ آفاق کتاب "کتھا سرت ساگر" جس کے ایک حصے ویتال پچیسی سے اہالیانِ کشمیر واقف ہیں، تصنیف ہوئی۔ راجا اننت نے جب راج پاٹ چھوڑ کر[1] وجیشور کی پاک سرزمین میں رہ کر ذکرِ الٰہی میں باقی ماندہ زندگی گذارنے کا فیصلہ کیا تو بدقسمتی سے باپ بیٹے (اننت و کلش) کے درمیان سخت ان بن ہوئی۔ بیٹے کو قرار واقعی شکست فاش دینے کے لئے راجا اننت جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوا۔ مگر

---

[1] راجا اننت کے راج پاٹ چھوڑ کر وجیشور میں ہی زندگی گذارنے کی تفصیل اگلے باب میں ملاحظہ کیجئے۔

کلش کی ماں سوریہ متی اپنے بیٹے کے خوفناک انجام پر اندر ہی اندر پگھلنے لگی۔ آخر جب صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو راجا سے ونتی کرنے لگی کہ اپنے بیٹے کی گستاخی کو معاف کر دو۔ مگر جب راجا کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا تو سوریہ متی نے مشہور عالم و فاضل ادیب سوم دیو[۲] کی خدمات حاصل کیں۔ سوم دیو روزانہ رات کو اپنی تخلیق "کتھا سرت ساگر" کی ایک ایک کہانی، جو نہ صرف دلچسپ اور سبق آموز تھیں بلکہ زندگی کی تلخ حقیقتوں کی ترجمان بھی، راجا کو سنایا کرتا تھا۔ وہ آخر راجا کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوا

---

[۲] SOOMDEVA LIVED DURING A TIME WHEN KASHMIR WAS TORN BY CIVIL STRIFE. KALSHA REVOLTED AGAINST HIS FATHER KING ANANTA, WHO WAS FORCED TO COMMIT SUICIDE. KALSHA'S REIGN WAS MARKED BY INTRIGUES, BLOODSHED AND SUFFERING. TRIBES MEN FREQUENTLY RAIDED THE LAND. KALHANA HAS NARRATED THE ANARCHY OF THE PERIOD, WHICH GETS REFLECTED IN THE UNDER WORLD OF SOOMDEVA'S NARRATIVE FULL OF CUT THROATS, OPIUM ADDICTS. THERE ARE (CONT; PAGE 27)

اور وہ اپنے بیٹے کو معاف کرنے پر راضی ہو گیا۔

رانی سوریہ متی

یہ راجا اننت کی بیوی تھی۔ انتہائی ہوشمند عیار اور ہونہار رانی تھی۔ حجام کو شاہی خزانے کا حاکم اعلیٰ مقرر کروایا۔ ہلدر جو چوکیدار زادہ تھا سوریہ متی کی پشت پناہی سے وزیر اعظم بن گیا۔ سوریہ متی عالم اور علم دوست تھی اس نے شہرہ آفاق کتاب "برہت کتھا" کا ترجمہ کروایا۔ اسی دور میں مشہور شیو فلاسفر کھیم راج بجبہاڑہ میں پیدا ہوا۔ رانی دِدا کے بعد یہ دوسری عورت تھی جو تاریخ کشمیر میں اپنا الگ مقام رکھتی ہے۔ یہ راجا اننت کی رانی ہی نہیں بلکہ اس کی دانشمند صلاح کار اور امورِ سلطنت کی ماہر قابل سیاستدان

(CONT; PAGE 26) VIVID PICTURES OF MISARY CAUSED BY WAR, FAMINE AND ORGANISED BRIGANDAGE (CUL. HERITAGE. REF. BY B. AKHTER JOURNAL SOON ADAB. CUL ACA. PUBLICATION)

ل برہت کتھا: یہ شہرہ آفاق کتھا سنگرہ مشہور عالم "گناڈھیہ" نے پشاچی زبان میں تحریر کی تھی۔ اس کتاب کا ترجمہ رانی سوریہ متی نے سنسکرت زبان میں کروایا سوم دیو کی "کتھا سرت ساگر" اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔ برہت کتھا میں ۰۰۰ ،۲ اشعار ہیں۔ اور اس کے ۱۸ باب ہیں۔ یہ کہانیوں کا ضخیم خزانہ ہے۔ نفس مضمون، دانائی، بیوقوفی، حسد، لالچ، پاکدامنی (باقی صفحہ ۲۸ حاشیہ)

اور معاملہ فہم عورت تھی ۔ اس نے بجبہاڑہ کی رونق بڑھانے اور اس کو سنوارنے میں اہم حصہ ادا کیا ہے ۔ سوریہ متی نے اپنے خاوند اور اپنے بھائی "سلن" کے نام پر وجیشور اور "امرلشی"[۱] میں دو عالیشان سرائیں تعمیر کیں

(از صفحہ ۲۷) بے حیائی، فراق، وصل، بہادری، بزدلی، جن اور پریوں کی دلچسپ اور سبق آموز کہانیوں پر مشتمل ہے ۔ اس کتاب کی رواقی محاورے اور مقولے انتہائی دلچسپ ہیں ۔ اس کتاب کا ترجمہ تقریباً دنیا کی ساری زبانوں میں ہو چکا ہے ۔

[۱] امرلشی: امرناتھ کا سنسکرت نام ہے اور یہاں پر خانقاہ تعمیر کرنا ناممکن ہے ۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ یہ امریشں کی خانقاہ "تھجی وارہ" کے مقام پر بنی ہوگی جس کو "سوامی امرناتھ کا پراچین تیرتھ" کہتے ہیں ۔ تھجی وارہ میں برابر وہی نشانیاں پائی جاتی ہیں جو ہمیں امرناتھ گپھا میں دیکھنے کو ملتی ہیں ۔ مثلاً امرگنگا، امربجھوت، گربھ یاترا، شیو جٹا، گپھا وغیرہ کہا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں جبکہ امرناتھ کی گپھا دریافت نہیں ہوئی تھی ۔ یاترا صرف "تھلی شود" یعنی تھجی وارہ تک آ کر سماپت ہوتی تھی ۔ کشمیر کے شاعروں جیسے پرمانند، گرشنہ جو، رازدان اور دوسرے کئی قلمکاروں نے تھجی وارہ کی خوبصورتی اس کی (صفحہ ۲۹ حاشیہ ۱)

رانی سوریہ متی کی امورِ سلطنت میں حد سے زیادہ ساجھی داری پر کلہن اپنی بیزاری کا یوں اظہار کرتا ہے

"کاہل اور سست راجا جو حکومت کی کارکردگی کا خود مشاہدہ اور نگرانی نہیں کرتا بلکہ اپنی ساری ذمہ داری ماتحت عملے کے سپرد کرتا ہے۔ اُس کی مثال اُس اندھے کی سی ہے جو لاٹھی کے سہارے چلتا ہے اور قدم قدم پر اس کو کسی حادثہ کا خطرہ رہتا ہے۔"

(راج ترنگنی ۷ ۔ ۱۲۱۹ شلوک)

(از صفحہ ۲۸) روحانی عظمت اور فطری ماحول کی خوب سراہنا کی ہے۔ امرکش یاترا اور امرکش مہاتم و دوسری قدیم کتب میں بھی وارہ کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔

لیلا یہ چھے امرناتھ جی
وِہہ وآر ساگی الیکا سنچی
شمہِ دمہِ گو پچھ پرشانتجی
منتر کر پوزن پر بھو

میں امرناتھ کی لیلا بیان کر رہا ہوں
جو وجود کی گہرائی سے شروع ہوتی ہے،
جہاں حبس نفس کی سیڑھیوں پر
چڑھکر وجود کی غار میں پہنچکر ایشور کی پوجا ہوتی ہے۔

کِنجِ ترا ڈتھ وات تھیح دور
لگِح تترِ شیوہ چُباڑہ پور
اناہِر منڈلس تھاوڑ گھور
منتر کر پوزن پر بھو

سارے اندیشے چھوڑکر یکجی وار پہنچ جاؤ اور چاروں طرف ذات حق کا جلوہ دیکھو یہ ناسوت کا منزل ہے۔ اس کے اندر قدم رکھ کر یکسوی پیدا کر کے دھیان مگن ہو جاؤ (سلسلہ

یہی تساہل پسندی آخر راجا کو راجدھانی چھوڑ کر وجیشور میں باقی ماندہ زندگی گزارنے پر مجبور کرتی ہے۔ واقعہ یوں ہوا کہ راجہ اننت بے شمار فتوحات کرنے اور خطرناک ڈامروں کی پسپائی کرنے کے بعد

(از صفحہ ۲۹) تھجی وارہ کی تاریخی اہمیت کو تاریخی و نیم تاریخی کتب جیسے نیل مت پوران اور وتستا مہاتم میں ایسے بیان کیا گیا ہے جس سے تاریخ دانوں کو حتمی رائے قائم کرنے میں دقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے مثلاً جہاں تک تھجی وارہ کو "بڈھا امرناتھ" کہنے کا تعلق ہے اس نام کے دو اور استھاپن کشمیر اور جموں میں موجود ہیں۔ علاقہ پونچھ میں راج پورہ کے مقام پر لورین دریا کے پاس دو پہاڑوں کے درمیان یہ گپھا واقع ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ گپھا امرناتھ سے بہت پہلے معرض وجود میں آئی تھی۔ پرانے وقتوں میں جب لوگ توسہ میدان کے علاقے میں سفر کرتے تو "بوڑھا امرناتھ" راستے میں ہی آتا تھا۔ یہاں جو مندر بنا ہے وہ گردشِ آفاق سے عرصہ دراز تک مٹی میں دھنسا ہوا تھا۔ پھر ایک سادھو کو خواب میں حکم ملا کہ جاؤ اس مندر کو کھود ڈالو۔ سادھو نے لوگوں کی مدد سے مندر کو مٹی سے نکالا اور یہاں پھر یاترا شروع ہوئی۔ دوسری امرناتھ گپھا پانڈی پورہ کے پاس موجود ہے۔

سٹائین کا خیال ہے کہ کلہن جس امریشور تیرتھ کا ذکر (باقی ط ۳۱)

اب سکون کی زندگی گذارنا چاہتا تھا۔ اس لئے راجا نے حکومت کی ساری ذمہ داری سوریہ متی پر چھوڑ دی تھی۔ سوریہ متی اننت کے ہوتے ہوئے اپنے اکلوتے بیٹے کلش کو راج گدھی پر دیکھنے کی آرزو کرنے لگی۔ اس سلسلے میں اس نے ایک وزیر رانادتیہ کو شاہی رسم ادا کرنے کی تیاریوں میں چپکے سے معمور کیا اور خود راجا کو تخت چھوڑنے کے لئے نت نئے حربے استعمال کرنے لگی آخر راجا اپنی چہیتی رانی کے جھانسے میں آگیا اور اس نے کلش کو سنگاسن پر بٹھانے کا حکم صادر کیا۔ اس طرح کلش ۱۰۶۳ء میں راجا بنا اور اننت اپنی بیوی سوریہ متی اور چند وفادار وزیروں کو لے کر وجیشور کی طرف روانہ ہوا مگر جب کشتیوں کا یہ شاہی کارواں پانپور (پدمان پور) پہنچا تو راجا نے دیکھا کہ ہزاروں لوگ دریا کے کنارے اکھٹے زار و قطار رو رہے ہیں اور آہ و بقا سے آسمان سر پہ اٹھا رہے ہیں۔ راجا نے کارواں کو رکنے کا حکم دیا اور لوگوں سے آہ وزاری کرنے کا سبب پوچھا

اپنی کتاب راج ترنگنی میں کرتا ہے۔ وہ "امبر ہیر" کا مقام تھا جو جگہ سرینگر سے ۶ کلومیٹر دور جنوب کی طرف واقع ہے۔ صاحب رام اپنی کتاب "تیر تھ سنگرہ" میں رقمطراز ہے " امبر ہیر کا قدیم نام امریشور تھا۔ وہ اس امریشور لنگ کا بھی ذکر کرتا ہے جسکی

تو براہمنوں کے سردار وششٹ نے آگے آکر عرضداشت پیش کی " اے نیک دل، نیک کردار اور بہادر راجا! آپ نے اپنی مرضی سے راج پاٹ چھوڑ دیا ہے اب اس پر پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ مگر اے راجا آپ نے ہم لوگوں کو ایسے بدکردار راجا کے حوالے کیا جو انتہائی

وہاں پوجا ہوتی۔ اندازہ ہے کہ رانی سوریہ متی نے جب دو مٹھ امریشور کے نزدیک تعمیر کئے تھے وہ بھی یہیں پر بنوائے ہوں گے۔ مگر یہ سب تاریخ دانوں کے اندازے ہیں۔ اور حال ہی میں کلچرل اکاڈمی نے جو ENCYCLOPEADIA شائع کی ہے اسمیں تھجی وارہ کے متعلق جامع رپورٹ شائع ہوئی ہے اور یہ رپورٹ اس تاریخی پس منظر سے میل کھاتی ہے جو کلہن کی راج ترنگنی اور جون راج کی زینہ ترنگنی میں تحریر ہوا ہے۔ رپورٹ یوں ہے (ترجمہ از کشمیری صفحہ نمبر ۲۲۲):

کشمیر میں شیو کی پوجا چکریشور کے نام سے رائج تھی۔ نیل مت پوران میں ان جگہوں کی تفصیل ملتی ہے جہاں شیو کی پوجا ہوتی تھی ان استھاپنوں کی تعداد چار تھی۔ پہلی جگہ باندی پورہ سے اوپر چیر نار سے ایک کلو میٹر دور۔ بجبہاڑہ کے نزدیک تھجی وارہ اشنہ برڑ چشمہ پر۔ اور کھونموہ کے پہاڑ پر جس کو آج ہری شور کہتے ہیں نیل پوران اور وتستا مہاتم میں جہاں چکریشور تیرتھ کا ذکر آیا ہے وہ تھجی وارہ کا استھاپن ہے جسکو شوجٹا کہتے ہیں۔ یہاں آج بھی شراون

شہوت پرست، بداخلاق اور تباہی کی زندہ علامت ہے (جس
راجا نے اپنی سگی پھوپھی اور اس کی لڑکی سے ناجائز تعلقات
قائم کئے۔ جس نے اپنے وزیر جبیند راج کی بہو کو ورغلانے کی
کوشش کی اور جس راجا کے برے کرتوت دیکھ کر آپ نے سبھا
(مجلس) میں اس کے گال پر تھپڑ رسید کیا) ایسے کردار والے
راجا کے حوالے اپنی ساری دولت دیکر گیا آپ آرام و آسائش کی
زندگی گذارنے کی تمنا کرتے ہیں۔ دولت کے بغیر آدمی کتنا ہی

پورنماشی کے دن یاترا ہوتی ہے۔ مگر قدیم زمانے کے تاریخی کھنڈرات
اب یہاں موجود نہیں۔ کلہن للتادتیہ کے حوالے سے جس چکریشور
مندر کا ذکر کرتا ہے وہاں للتادت کی رانی نے چکریشور کے پاس
"چکرمردکا پہ پکشمن سوامی" کی مورتی لگوائی۔ اندازہ کیا جاتا ہے
کہ یہ مندر پرہاسپور میں بنا ہوا ہے مگر شٹین کی اس رائے سے
آر، ایس، پنڈتا بھی اتفاق کرتے ہیں کہ "چکردھر یا چکر برہتھ"
استھاپن وجیشور میں ہی تھا جیسا کہ نیل مت پوران میں تذکرہ ملتا
ہے کہ جلودبھو راکھشس کی موت کے ساتھ ہی جہاں وشنو کا چکر
ٹھنڈا ہوا اس جگہ کو "چکردھر" موجودہ "ٹزکہ در" کہتے ہیں اس کے
ساتھ ہی وشنو سوامن کا مندر ہے جس کی مرمت راجا سمپی نے
کی۔

نیک ، اونچے خیالات اور بڑے خاندان کا فرد ہی کیوں نہ ہو اس کی کوئی عزت نہیں کرتا ۔ دولت کے بغیر آدمی کی مثال اس تلوار جیسی ہے جس کی دھار کند ہوتی ہو ۔ جو نہ تو کسی کو مار سکتی ہے اور نہ کسی کے کام آسکتی ہے براہمن کی جذبات بھری باتیں سنکر راجا گہری سوچ میں ڈوب گیا تھوڑی دیر کے سوچ وچار کے بعد

THE FAMOUS TEMPLE OF "VISHNU" THE HOLDER OF DISCUS (CAKRABHRTH) WAS ON THE PLATEAU NOW KNOWN AS "TSAKDAR" AND IS FREQUENTLY MENTIONED IN THE POEM SEE 1.261 IV 191 VIII २७१ ETC. VIJAYESHA THE SHRINE OF SIVA HAS BEEN FAMOUS FROM REMOTE ANTIQUITY. KALHANA MENTIONS THE RESTORATION OF TEMPLE BY THE EMPEROR ASOKA (VERSE 105) IT IS NOW KNOWN TO THE KASHMIRIS AS VIJBROR AND TO THE TOURISTS AS BIJHEHARA - THE TOWN OWES ITS NAME TO THE TEMPLE VERY FAMOUS, WHICH IS SITUATED THERE : R.S PANDIT, RAJ TARANGNI CHEPTOR 1ST PAGE 12.

کارروان کو واپس سرینگر چلنے کا حکم دیا۔ راجدھانی پہنچتے ہی اس نے ساری دولت مال و جائیداد اکٹھا کر کے دریا کے اس پار پہنچایا رانیوں نے عمارتوں کے سوا وہاں ایک کیل بھی نہ چھوڑی (۷، ۲۴۴ شلوک ۲۳۰۔ باب ساتواں، شلوک از راج ترنگنی۔ حوالہ صفحہ نمبر ۵۸)

جب راجا نے آخری بار چلنے کی تیاری کی تو لوگ دریا کے کناروں پر کھڑے رونے اور سر پیٹنے لگے۔ لوگ ناہنجار بیٹوں کو کلش

راجا بیچی نر کے وقت چکدر کی ہولناک تباہی، اشوک و کلش کے زمانہ میں وجیشور کی ہولناک آتش زنی بھکشاچر کے قتل عام کے بعد بھی وجیشور ایک تیرتھ کی شکل میں روحانی فیض و برکت کا مرکز اسی لئے رہا کیونکہ یاتری امرناتھ (امریشور) یعنی تھجی وارہ گپھا کے درشن کر کے روحانی سکون محسوس کرتے تھے جیسا کہ وجیشور مہاتم کی پہلی ادھیائے میں اس کا ذکر ہے کہ وجیشور کے مشرق میں عظیم شیو استھاپن ہے۔ اس مقدس تیرتھ کی یاترا آج تک برابر جاری رہی، ان ساری باتوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کشمیر کا پراچین تیرتھ سوائے امرناتھ یہی تھجی وارہ تھا اور یہیں پر رانی سوریہ متی نے اپنے بھائی شلق اور راجا کے نام پر دو مٹھ قایم کیے۔ اس زمانہ سے آج تک شراون پورن ماشی کے دن یہاں یاترا ہوتی ہے جبکہ پراس پورہ میں کسی بھی یاترا کا تذکرہ نہیں ملتا۔

مثال دے دے کر کوسنے لگے وجیشور پہنچ کر راجا اننت نے مال وجائیداد سے شہر کے گودام بھر دیئے۔ بڑے بڑے بہادر جیسے تنگ، راج کمار سوریہ ورما، چندر اور بڑے بڑے ڈامر راجا سے ملنے آگئے۔ راجہ نے "کھیر بھوپ" وغیرہ ڈامروں کو شہر کی رکھوالی کرنے کے کام پر مامور کر دیا۔ کشتیوں کا بیڑا بنوایا عقلمند وزیروں کو مختلف محکموں کا انتظام چلانے پر مامور کر دیا اور خود بڑے سکون کے ساتھ رہنے لگا۔ راجا اننت جو اپنے بیٹے کے کالے کرتوت جان کر، لوگوں کی آہ وزاری سن کر اور راجدھانی چھوڑنے پر اپنے کو رنجیدہ خاطر محسوس کر رہا تھا۔ وجیشور کو دیکھتے ہی جیسے راجا اور وزیروں کے دل کا بوجھ ہلکا ہوا۔ انہیں کمل سکون کا احساس ہونے لگا۔ جیسے وہ کسی بچھڑے دوست سے اچانک مل گئے ہوں (راج ترنگنی، باب ۷ شلوک ۳۵۵)

۱؎ ڈامر: راج ترنگنی میں "ڈامر" کا لفظ جاگیردار کے لئے استعمال ہوا ہے یہ طبقہ "فیوڈرل کلاس" لوگوں کا تھا۔ جو صدیوں سے دیہاتی زندگی پر حاوی رہا ہے انہوں نے دیہاتی عوام کو ہی نہیں بلکہ رعایا پرور راجاؤں کے لئے بھی کافی مشکلات پیدا کی ہیں۔ اس استحصالی طبقہ کے پاس فوجی طاقت بھی ہوا کرتی تھی۔ اس طاقت کے نشے میں یہ لوگ عوام پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتے رہے ہے۔ کسانوں سے فصل کا ⅓ حصہ وصول کرتے اور

شہر کے دفاع کے لئے ہتھیار جمع کرائے گئے کشتیاں بنوائی گئیں اور گھوڑے وغیرہ پالے گئے۔ یہاں کلش اپنی بے عزتی (جو راجانے بھرے دربار میں کلش کے منہ پر تھپڑ رسید کیا تھا) کا بدلہ لینے، وجیشور پر حملہ کرنے اور اننت کو شکست فاش دینے کی تیاری کرنے لگا۔ تیاری مکمل ہونے کے بعد کلش نے وجیشور کھیتر[۱] کا محاصرہ کیا

---

* بیگار لینا۔ ان کی بہو بیٹیوں کی عصمت دری کرنا اور وقت آنے پر ان بے کس لوگوں کا قتل عام کرنا بھی ان کا من پسند مشغلہ تھا۔ اکثر راجے ان ڈامر سرداروں سے زبردست خوفزدہ رہتے تھے۔ (جیسے کہ سہم دیو کے وقت کا ناگ ڈامر وغیرہ) اکثر حکمران ڈامروں کو خوش رکھنے کے لئے ان کو طرح طرح کے مراعات دیتے رہے ملک کے سیاسی، مذہبی اور معاشرتی معاملات میں ڈامر سرداروں کا زبردست عمل دخل رہا ہے۔ اگلے صفحوں میں کئی ڈامروں کے قصے جنکا تعلق بچھہاڑہ سے ہے پڑھنے کو ملیں گے۔

[۱] وجیشور کھیتر: وجیشور کھیتر کا تفصیلی ذکر تیسرے باب میں ہوگا مگر یہاں کلہن وجیشور کھیتر یعنی رقبہ بجبہاڑہ یا حدود کا ذکر کر کے ایک بڑے تاریخی واقعہ کو صحیح ثابت کرتا ہے۔ کئی مورخوں کی رائے ہے کہ وتستا مہاتم میں وجیشور کھیتر کی جغرافیائی تقسیم مبالغہ آمیزی ہے مگر جب کلہن اپنے چشم دید واقعات تحریر کرتا ہے (اندازہ ہے

رانی سوریہ متی نے راجا سے جبکہ وہ لڑائی کا بگل بجانے ہی والا تھا عاجزی کر کے دو دن کی مہلت مانگی۔ راجا جو انتہائی غصے میں تھا، نے رانی کے اصرار پر دو دن کے لئے جنگ بندی کا حکم دیا۔ اسی دوران رانی نے رات کی تاریکی میں اپنے دو مخبروں "مایا" اور دوسرے براہمن کو کلش کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا۔

کہ راج ترنگنی کا ساتواں اور آٹھواں ترنگ کلہن نے وجیشور میں ہی لکھا ہوگا۔ کیونکہ کلہن ہرش کے وفادار وزیر چمپک کا بیٹا تھا۔ ہرش نے زندگی کے پچھلے ایام اپنے دادا اننت کے ساتھ اور آخر کی سال بھی وجیشور میں ہی گذارے۔ چونکہ کلہن کا اپنے باپ کے پاس ہی رہنا اغلب سی بات ہے۔ لہذا ہرش سے لیکر سہم دیو کے ۲۲ سال تک کلہن نے چشم دید واقعات تحریر کئے ہیں۔ یہاں اس نے سنی سنائی باتوں یا کتب ہائے تاریخ کا مطالعہ کر کے نہیں لکھا بلکہ آنکھوں دیکھے واقعات تحریر کئے ہیں۔ لہذا بجبہاڑہ کے جغرافیائی حدود کی نشاندہی جیسے کلہن نے کی ہے ہمارے پاس اس سے بڑا معتبر ثبوت موجود نہیں۔

کلہن لکھتا ہے کہ جب کلش ایک ہزار فوج لیکر وجیشور کھیتر میں داخل ہونے کے لئے اونتی پور پہنچا اور بوڑھے راجا سے لڑائی کرنے کا عزم باندھا۔

"میرے عزیز بیٹے! کون سے برے اعمال تم کو اپنے باپ سے لڑنے پر مجبور کر رہے ہیں کیا تم کو خبر نہیں تم کس جرار آدمی سے نبرد آزما ہونے کی کوشش کر رہے ہو جس کے ایک ایک اشارے پر "درد" ولیش کا راجہ ایسے ختم ہوا مانو کہ دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ جب تمہارا باپ آگ برساتا ہوا گھوڑے پر چڑھ جائے گا۔ یقین مانو تمہاری فوج تنکے کی طرح اڑ جائے گی خاکستر ہو گی (شلوک ۳۷۶) تم ایسے بہادر آدمی کا مقابلہ نہیں کر سکتے کس بیوقوف نے تم کو ایسا کرنے کے لئے اکسایا

ماں کی نصیحت کا بیٹے پر اچھا اثر ہوا اس نے وجیشور کا محاصرہ ختم کیا اور واپس راجدھانی کو چلا گیا۔ اب راجا اننت اپنے وفادار وزیر "تنگ" کے بیٹوں کو راج گدھی سونپنا چاہتا تھا۔ مگر سوریہ متی کے سمجھانے سے راجا نے یہ ارادہ ترک کر لیا۔

HAVING WON OVER THE INFANTRY HE, ESCORTED BY BIJJA AND OTHER RAJPUTRAS, THEN ARRIVED AT AVANTIPURA TO FIGHT THE OLD KING (TRANSLATION VERSE 368 CHEPTOR 7TH)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اونتی پورہ کے قریب ہی وجیشور کھیتر کا علاقہ شروع ہوتا تھا۔ اس ترنگ میں کلہن نے اس بات کیطرف

سوریہ متی نے کلش کے بیٹے ہرش کو راتوں رات سرینگر سے وجیشور بلایا۔ اننت نے سارا غصہ تھوک کر شفقت سے مجبور ہو کر ہرش کو گلے لگایا اور بہت دیر تک اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا باپ اور بیٹے کی اس مخاصمت پر ملک بھر کے برہمنوں نے بھوک ہڑتال کی۔ براہمنوں کی بھوک ہڑتال ختم کرنے کیلئے راجہ اننت ڈھائی ماہ کے لئے سرینگر چلا گیا۔ اس طرح باپ اور بیٹے میں ظاہری طور صلح ہوگئی۔ ایک دن اننت کا وفادار وزیر جیانند راجا کے پاس آکر کہنے لگا کہ کلش آپ کو قید کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے اس لئے جتنی جلدی ہو آپ یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں۔ دوسرے ہی دن اننت اپنی بیوی سوریہ متی کو لیکر بجبہاڑہ (وجیشور) واپس آیا۔

بھی اشارہ کیا ہے۔ کہ دسویں صدی عیسوی میں وجیشور کے چاروں طرف گھنا جنگل تھا۔ جس کا اب کہیں نام و نشان نہیں ملتا ہے

جب کلش کے حملے کی خبر عام ہوئی تو جوانمرد ڈامر، گھوڑ سوار اور دوسرے فوراً بوڑھے راجا کی مدد کو پہنچے۔ یہ سب غصے اور جوش میں تھے۔ وجیشور کا سارا جنگل گھوڑوں اور سپاہیوں سے بھر گیا اتنے قابل اور سبک رفتار گھوڑے لائے گئے تھے کہ جب ایک بال ان کے سامنے رکھدی جاتی تو وہ اپنے سموں سے اسکو

ایک دن راجا اننت اور ساری لشکر مزے کی نیند سو رہے
تھے کہ کلش نے وجیشور کے چاروں طرف آگ لگا دی سپاہی
شور سن کر جاگ پڑے تو اپنے چاروں طرف آگ محسوس کر کے
بدحواسی کے عالم میں پہننے کے کپڑے تک چھوڑ کر بھاگ نکلے
رانی سوریہ متی جو آگ کی لپیٹ میں آ چکی تھی، کو تنگ کے بیٹوں نے
بچا لیا۔

کھیلتے تھے۔ سارے جنگل میں ہتھیاروں کا خیمہ سا تان دیا گیا۔

HEARING OF THESE PREPARATIONS THE ENRAGED DAMRUS, HORSE MEN AND OTHERS WHO WERE TRUE TO HIM, JOINED THE OLD KING IN A HURRY.

(CHEPTER 7 V.NO320)

WITH THE TROOPS OF HORSES, WHO PLAYED WITH BALLS PLACED BEFORE THEM AND WITH THE ORMAMENTS THE ENTIRE FOREST UNDER THE SHELTER OF PAROSOL, BECAME CROWDED AT VIJAYKSETRA 371 V.NO CHAPTER 7TH

RAJ TARENGI BY RS PANDIT

راجا اننت کی جان بہ ہزار مشکل بچ گئی۔ یہ سب لوگ وتستا کے دوسرے کنارے پر پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ دوسرے دن سوریہ متی کو جواہرات سے جڑا ہوا ایک "شیولنگ" مل گیا۔ رانی نے ٹاک قبیلے کے بیوپاریوں کے ہاتھوں فروخت کر کے اس شیولنگ سے زرِ کثیر حاصل کیا۔ اسی رقم سے سوختہ گان ہمدردوں کی امداد کی گئی محل سے ملبہ وغیرہ صاف کرایا گیا۔ صفائی اور تعمیرِ نو کے دوران سونا وغیرہ بھی حاصل ہوا مگر اب راجا محل کو چھوڑ کر جھونپڑی میں ہی رہنا چاہتا تھا۔ اب راجا کلش اپنے شکست خوردہ والد کو تحقیر و تذلیل بھرے پیغامات بھیجنے لگا۔ ان سے بھی کلش کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو سکا۔ اس نے اپنے باپ کو آخری وارننگ دے دی کہ اگر آپ وجیشور چھوڑ کر علاقہ پونچھ میں سکونت پذیر ہو جائیں گے تو آپ کو معافی دی جائے گی۔ رانی سوریہ متی بھی راجا کو ترکِ وطن کرنے کی کوشش کرنے لگی جس پر راجا اننت برہم ہو کر کہنے لگا

وجیشور کے تقدس میں وتستا مہاتم، امرنیش مہاتم، نیل مت پوران اور وجیشور پوران و وجیشور مہاتم میں ایک جیسے حوالہ جات ملتے ہیں جو راجا اننت کے خیالات سے میل کھاتے ہیں۔ مثلاً نیل مت پوران

विजयेशाग्रत: स्नात्वा वितस्तायां महीपते,
इन्द्र लोकमवाप्नोति कुलमुद्धरते स्वकम् ॥
52 नी०पु०

"جس قطعۂ ارضی کے درشن کے لئے دیوتا بھی متمنی ہیں۔ جہاں شیوجی مہاراج لوگوں کا کلیان کرتے ہیں جہاں آدمی کے پاپ (گناہ) ختم ہو جاتے ہیں۔ کیا تم اس بڑھاپے میں مجھ کو ایسی پوتر بھومی چھوڑ دینے کو کہتی ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ کاش میرا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ تمہاری کوکھ سے یہ کسی اور کا بیٹا جنا ہوگا"

(شلوک ۱۱۴ تا ۱۴۳۲)

RUDRA AND SAVES ONE'S FAMILY BY TAKING BATH IN THE VITASTA IN FRONT OF VIJAYESVARA.

चत्रस्वामि समीपे च दृष्टवा
देवीं हराङ्क गाम ।
सर्व पाप विनिर्मुक्तो रुद्रलोकम-
वाप्नुयात ।। 1045 श्:-

ONE GETS THE MERIT OF THE GIFT OF COWS BY ARRIVING AT RSIKULYA, DEVAKULYA, ASVATIRTHA PRABHASA, VARUNA, VAHNITIRTHA, CANDRATIRTHA NAGATIRTHA CAKRATIRTHA AND NAMANA.

رانی کے تن بدن میں آگ لگ گئی وہ شیرنی کی طرح گرجنے لگی ۔

تمہیں خبر نہیں کب کیا کہنا چاہیئے ۔ تمہارا بیٹا تم کو شہر بدر کر رہا ہے

یہ نتیجہ تمہیں اپنے کرموں کا ہے میں نے بھی تمکو چھوڑ دیا ہوتا مگر

لوگوں کی بدنامی کا ڈر ہے ۔ رانی کے الفاظ سنتے ہی آہستہ آہستہ

अश्वतीर्थं प्रभासं च वारुणं तीर्थमेवच,
वह्नि तीर्थं चन्द्र तीर्थं नाग तीर्थं तथैवच,
चक्र तीर्थं वामनंच गोप्रदान फलं लभेत्।
1368

AFTER SEEING NEAR CAKRASVAMI (CAKDER) THE GODLESS SITTING IN THE HAP OF HARA, ONE IS REED FROM ALL SINS AND IS HONOURED IN THE WORLD OF RUDRA:

وتستا مہاتم ؛ زمانہ قدیم میں "تارکاسور" نام کا ایک خطرناک راکھشش تھا یہ خدا کے بندوں پر انتہائی ظلم اور قتل و غارت گری کا بازار گرم رکھتا تھا ۔ لوگ اس ناگہانی بلا سے تنگ آ گئے وہ اس خوفناک دیو سے چھٹکارا پانے کے لئے ایشور سے پرارتھنا کرنے لگے آخر پر اس دیو کو "کومار" نام کے دیوتا نے مار ڈالا ۔ شنکر نے اس دیو کو "وجیشور" کے "دکھت کرن" نام کے شمشان پر جلا ڈالا مگر نظر آتش کرنے سے پہلے دیو کے کان میں چپکے سے کہا

راجا نے تلوار نکال کر اپنی بھونڈ میں جھونک دی۔ آناً فاناً خون کے فوارے پھوٹنے لگے۔ راجا نے رانی اور تنگ سے کہا جاؤ اب لوگوں سے کہدو کہ راجا کو "بواسیر" کی بیماری کی وجہ سے خون بہہ نکلا۔ یہ کہتے ہوئے بدنصیب راجا لقمۂ اجل ہو گیا۔

رانی نے چکر دھر مندر کے سامنے ڈیڑھ دن تک چتا تیار کروالی

"جاؤ تم کو نجات مل گئی۔ کیونکہ جیشور کا علاقہ مکھتی کھیتر ہے۔ یہاں جس کسی کی موت ہوتی ہے وہ اپنے گناہوں سے نجات پاتا ہے"

(ادھیاے ۶ شلوک ۸۶ دیپتا مہاتم)

(۲) اگر کسی کو آتمہ گیان کی ضرورت ہو۔ اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے کو بُرے کرموں سے ہٹاکر نیکی اور پاکیزہ طریقہ پر جیسا کہ شاستروں میں کہا گیا ہے زندگی گذارنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اسے بھادوں مہینے میں روزانہ "وجیشور" کے مقدس تیرتھ پراشنان (نہانا) کرنا چاہیئے۔ (ادھیاے ۵ شلوک 37-38 دیپتا مہاتم)

(۳) جو انسان سمادھی کے بغیر ہو۔ جسکے یندرے (حواس خمسہ) قابو میں نہ ہوں، جس کے پاس نہ گیان، نہ ہی دھیان اور نہ دان شکتی (خیرات کرنے کی طاقت) ہو جس نے اپنی ماں کو تکلیف پہنچائی ہو۔ اگر وہ اپنے برے اعمال پر شرمندہ ہو کر توبہ کرے۔

خود وتستا کا پانی منگوا کر یہ کہتے ہوئے پی لیا کہ جو لوگ اس مقدس دریا کا پانی پی کر اپنی آتما تیاگ دیتے ہیں ان کو یوگیوں کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے یہ کہتے ہوئے خاوند کی چتا میں چھلانگ لگا دی۔ رانی کے ساتھ ساتھ راجا کے چار وفادار وزیروں اور رانی کی تین سہیلیوں نے خود کو چتا کے شعلوں کی نذر کر دیا۔ وزیروں میں

راہ عرفان کی کھوج میں نکل پڑے۔ اُسے چاہیئے کہ وہ پہلے تین روز تک "وجیشور" تیرتھ کے ہرلیشچندر گھاٹ پر نہائے کیونکہ اس گھاٹ پر پرانے وقتوں میں "پیلا پورورد" راجا نے تپسیا کی ہے۔ جو اپنے برے اعمال شہوت پرستی اور اپنی نیک بیوی کی بددعا سے "کوڑھ" کی بیماری میں مبتلا ہوا تھا۔ اس کے جسم سے ہر وقت پیپ بہتی تھی۔ جب یہ اپنے برے اعمال پر پچھتایا۔ رو رو کر ایشور سے معافی مانگی اور اپنے گناہوں سے توبہ کر لی۔ تو اس نے خواب دیکھا۔ کوئی بزرگ آدمی اسے کہہ رہا تھا۔ "وجیشور" کے ہرلیشچندر تیرتھ" پر جاؤ۔ چالیس دن تک وتستا میں نہاؤ ایشور تمہارے خطا معاف کر دے گا۔ کیونکہ وہ دیالو ہے۔ راجا نے ایسا ہی کیا اس کی بیماری ختم ہو گئی یہ چمتکار دیکھ کر راجا پھر واپس راجدھانی میں نہیں گیا بلکہ ساری عمر اس گھاٹ پر ایشور کی عبادت کی اور نجات حاصل کر لی (سنسکرت حوالہ جات صفحہ نمبر ۴۷-۴۸) ادھیائے ۲ شلوک ۴۰ تا ۴۸ وتستا مہاتم

گنگا دھرِ، لنگہ بدھ، یگم وا اور وندک تھے۔ رانی کی سہیلیوں کے نام نونکا، اُدا اور وُنگا تھے۔ اب وجبیشور میں راجا کا نواسا

وجبیشور مہاتم: وجبیشور ایسی جگہ ہے جہاں چاروں طرف پھولوں کی مہک پھیلی رہتی ہے۔ جہاں دیودار کے درخت گرمی سے تھکے ماندے مسافروں کو راحت بخشتے ہیں۔ جہاں تالاب اور ٹھنڈے پانی کے چشمے ہیں۔ جہاں مقدّس کنول سر ہے۔ جہاں آدمی کو سکون اور شانتی ملتی ہے۔ جہاں دل کو یکسوئی حاصل ہوکر شانتی ملتی ہے۔ جہاں آدمی مراقبہ میں محو ہوکر عرفانِ ذات حاصل کرتا ہے۔ چکر سوامن (چکہ دد) کے پاس جہاں ایک خوبصورت تالاب ہے۔ اس تالاب کے چاروں طرف جو دیودار کے اونچے درخت ہیں اُن کے سایہ میں بیٹھ کر آدمی کے دل کو عجیب مسرّت کا احساس ہوتا ہے۔

१, द्वितीयस्मा गरहव चास्मिन्पुण्ये सरोवरे,
अयं तुंग प्रदेशश्च देवदारुभिरावृतः ।
२. अत्रैव देशे पुण्ये वै च रामो दुश्चरं तपः
निःकृत्वा मनिं देवि मुनयः परमार्चिताः
३. समाधौ लीन आत्मस्वरूपध्यान सं मुक्त मानसाः
वि० म०.

ایک دن کی بات ہے کہ جب سارے رشی منی مستی کے عالم میں ذکرِ

ہرش اور راجدھانی میں اس کا باپ گلش رہنے لگا۔ ہرش اپنے باپ سے اندر ہی اندر انتقام لینے کی سوچ رہا تھا۔ اپنے وزراء نے ہرش کو گلش کی مخاصمت سے باز رکھا۔ اور بعد میں راجکمار ہرش

ذکر الٰہی میں مشغول تھے تو اچانک شنکر مہاراج اٹھ کھڑے ہوئے اور دیودار درختوں کے جھنڈ میں تانڈو ناچ کرنے لگے۔ ناچ کرنے میں اتنے محو ہوگئے کہ ان کے بدن سے سارے کپڑے اُتر گئے۔ اس منظر کو دیکھ کر چند من چلے رشی جنہوں نے ابھی عرفان کے رستے میں پہلا ہی قدم ڈالا تھا شنکر کی اس حالت پر ہنسنے لگے۔ شنکر نے جب ہنسی کی آواز سنی تو فوراً ناچنا بند کر کے ہنستے ہوئے بے خبر رشیوں کی طرف غصہ بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ اسی گھڑی میں دیوتاؤں کو شنا پھر دیکھ غائب ہوگئے جب یہ خبر سارے رشیوں نے سنی ان کے چہروں پر افسردگی چھا گئی۔ آنسو بے اختیار آنکھوں سے ٹپک پڑے۔ شنکر کی جدائی میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ آنسوؤں سے لبریز آنکھوں اور روندھے ہوئے گلے سے بھگوان کی شرن میں آگئے۔ منچلے رشیوں سے ہوئی بے ادبی پر توبہ کرنے لگے۔ آخر عابد لوگوں کی اس آہ و فغاں پر ایشور مہربان ہو گئے۔ اسی وقت وہاں ایک کرشمہ ہو گیا۔ وہاں قدرت الٰہی کی طاقت یعنی شکتی کا ظہور ہوا۔ رشیوں کے کانوں

اور اس کے باپ کلش کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کی رُو سے ہرش کو سالانہ باج کلش کو دینا پڑا اور خود ہرش کو وجیشور

میں آواز آئی۔ میں نے شنکر کے شاپھ سے تم لوگوں کی حفاظت کے لئے "جیا دیوی" کا اوتار دھارن کیا ہے اور پھر جیا دیوی یوں ان نیک تپسوی لوگوں سے مخاطب ہوئی: "اے ایشور کے نیک بندو! انجانے میں تم سے غلطی ہوئی۔ اب میں تم لوگوں کی حفاظت کے لئے وجیشور میں ہی قیام کروں گی اور تم کو شنکر کے شاپ سے بچاؤں گی۔ مگر تم کو "پرم شو" کی جوتی کا ہی دھیان کرنا چاہیئے کیونکہ وہی دنیا کی آخری حقیقت ہے۔

نوٹ: جیا دیوی کا استھاپن آج بھی بجبہاڑہ کے کریوہ پر موجود ہے جہاں نوراترا کے دن کشمیر کے کونے کونے سے یاتری بھگوتی جیا کے درشن کو آتے ہیں۔

यस्यात्वं स्रीणुमघयेनभलन्नप्रेन्दि
ऽोहवसि ।
तस्मात्वं मिन्द्रो योच्य।
त्रसखानाक्तिसवा पतिष्यति शश्लेनं
देव देव शमुनयः क्रो चमूर्छिता॥
त्रिनेत्रं चारुवदनं शशांककृतशेखरम्
कपर्दिनं चारुहासं सर्वैं भूषितड्
कन्दरम नग्नं दिगम्बरं देवं शिव
शान्तमनोमयम ज्ञात्वा शमय॥

سرِنو تعمیر کرنے کی اجازت مل گئی۔ شہر کی حفاظت کی ذمہ داری ہرش کو سونپی گئی۔ راجا کلش اب اپنے برے اعمال کی وجہ سے پشیمان ہو کر

मुनि नां तु भगवान्भक्त भावन: यद्दकृ
याचेन्द्रियं च भूमावस्थायादिवे ।
देवी प्रोवाच देवेश: स्त्री एगँ बुद्धिस्तु
चंचला लज्जानन मरवी ॥
देवी भगवन्तं क्षमापयत् इत्युक्त्वा
देव देव शस्त्रज्ञान ध्यान मीयिवान
लिंग प्रकप्ययत त्रै दमुक्ति देँ वरानि
देवी च विमना भूत्वा देवम् ।
प्रतिष्ठति देवी विमन संज्ञात्वा तौ
वोवाच महेश्वर: किमेथँ ,
विमना भूत्वा ओं सी पुर: प्रतिष्ठसि
कारणान्तरमेवेह मामेन्द्रि ।
ययनि पातने देवेन्द्रि राजयां-
नाम मुनीनां तु प्रकाशिता । ....

۳ جب کلش اور ہرش کے درمیان صلح صفائی ہوئی اور کلش اپنے بیٹے کو راجدھانی لینے کیلئے وجیشور شہر میں داخل ہوا تو لوگوں کی آہ و بکا سن کر

نیک اعمال کی طرف راغب ہوگیا۔ ہرش نے دادا کے خزانے کو مہر بند کر کے اس پر کلش کی مہر ثبت کردی۔ اب کلش کفارہ ادا کرنے کی خاطر خدا کے حضور میں سر بسجود ہوا اور اسی دوران راجا کے ہاتھ ایک بہت بڑا خزانہ ہاتھ لگا۔ واقعہ یوں ہوا کہ سیل پورہ[1] نامی گاؤں کا

عالیشان محلات و تعمیرات کے کھنڈرات دیکھ کر کلش کی آنکھیں بھر آئیں اور بڑی دیر تک روتا رہا۔

AS THE KING ENTERED VIJAYSHEYRA TO FETCH THE SON. HIS EYES FEL THE BURNING SENSATION ON ACCOUNT OF THE HOUSES WHICH HAD BEEN BURNT DOWN AS WELL AS HIS EARS OWING TO THE REPROACHES OF THE PEOPLE.

[TARANG 7TH. VERSE NO 491
KALHAN'S R.T]

[1] سیل پورہ گاؤں آج بھی وجبیشور کھیتر کے شمال میں قومی شاہراہ کے قریب کچھ چھکوٹ گاؤں کے قریب واقع ہے۔ مگر اس کو سیل پورہ کے بجائے سیل کہتے ہیں۔

راجا کلش نے بھی وجبیشور کی تعمیر نو میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کیونکہ اب راجا بہت حد تک بدل چکا تھا اس نے وجبیشور مندر کی تجدید

ایک ڈامر جس کا نام "جے یک" تھا، بہت مالدار تھا اُس نے ڈیڑھ کوس زمین کھدوا کر اسمیں دینار بھر دیئے اور جن مزدوروں نے یہ کام انجام دیا اُن سب کو ڈامر نے مروا ڈالا۔ کچھ وقت کے بعد یہ ڈامر بانگل علاقہ کمراز کو فتح کرنے چلا گیا۔ حملے کے دوران "جے یک" کا گھوڑا انگور کی بیل میں پھنس گیا۔ فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ اپنے ہی سپاہی نے جس کا رشتہ دار ڈامر نے قتل کروا یا تھا "جے یک" کا کام تمام کر دیا اور کلش کو ڈامر کے خزانے کا پتہ بتا دیا۔ کلش کے سپاہی ڈامر کے دینار زمین سے نکال نکال کر وتستا میں دھونے لگے۔ جس وجہ سے وتستا کا پانی کئی ہفتوں تک گدلا بنا رہا۔ کلش نے اس بڑی رقم کو پا کر ایک تو وجیشور کی تمدا آتش عمارات کو نئے سرے سے تعمیر کروا یا اس کے علاوہ پاشال نام کی ایک دھرم سالہ بھی تعمیر کروائی تر لیسر لبشر مندر کو سالی امداعیم کرنے کے علاوہ ترپلشیوری کے نزدیک ہی ایک شوالہ تعمیر کر کے اس پر بھی سونے کا کلش چڑھا دیا اس کے علاوہ کلیشور نامی دوسرا مندر بھی تعمیر کروا کر اسی میں

اپنی نگرانی میں کمرائی اور مندر کا بالائی حصہ اپنی نگرانی میں دوبارہ تعمیر کرایا اور جب اس گنبد پر سونے کا چھتر چڑھایا گیا یہ اتنا اونچا ہو گیا کہ انسان کی نظر اس تک نہیں پہنچتی تھی۔ ایسا دکھائی دیتا تھا کہ چھتر آسمان

لاتعداد گھڑیاں نصب کئے گئے۔ اس کے بعد راجا والیس راجدھانی چلا گیا اور فتوحات کی طرف لگ گیا بسیار شہوت پرستی کی وجہ سے راجا زندگی کے آخری دنوں میں "رعشہ" کا شکار رہا۔ ایک دن شوجی مندر میں پوجا کے دوران اس کی ناک سے خون بہنے لگا اور کسی طرح رکنے کا نام نہ لیتا تھا۔ اب وہ ش وجئیشور تیرتھ کے بجائے

ش کے ساتھ مل گیا ہو۔

AND THE KING CONSTRUCTED ON THE CREST OF THE STONE TEMPLE OF VIJAYESA A GOLDEN PARASOL WHICH KISSED THE SKY ON THE HEAD (TARANG 7TH : VERSE NO 525)

اس کے علاوہ راجا نے تریشور مندر کے نام جاگیر رکھی اور شو مندر میں سونے کے زیورات چڑھاوے کے طور پیش کئے۔

सँत्यज्य विजयक्षेत्रमतएवा
पर्व गदम्
महीश्वरोपि प्रययौ तत्र त्रासवशंवदः
-705 सा०

AND FOR THIS VERY REASON LEAVING ASIDE VIJAYKSETRA WHICH GIVES BEATITUDE, ALTHOUGH A DEVOTEE OF SHIVA, HE PROCEEDED TO

مارتنڈ تیرتھ پر جانا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے مارتنڈ مندر کی ایک تانبے کی مورتی توڑ ڈالی تھی۔ شاید اسی وجہ سے خطرناک مرض کا حملہ ہوا۔ آخر وہ ماہ مگھر کی تیسری تاریخ کو پالکی میں بیٹھ کر مارتنڈ روانہ ہوا۔ کلہن نے کلش کے اس فیصلے کو غیر دانشمندانہ لکھا ہے کہ وجیشور کھیتر میں مرنے سے آدمی کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ راجا آخری دنوں اس تیرتھ کو مارتنڈ سے کم تر درجہ دیکر مارتنڈ تیرتھ چلا گیا یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ کلہن لکھتا ہے کہ وہ دوسروں کی بیاہتا بیویوں سے مباشرت کرتا رہتا تھا۔ اس برے عمل نے اسے عمر بھر اپنے اثر میں رکھا

MARTANDA YIELDING TO FEAR.

सा जानन्दैवत् क्रोधं
ताम्रस्वामिविपाटनात्
ह्येव शरणां कृतं मार्ताण्डं
प्रागाल्लच्छ्ये: 704 सं: तर.

THINKING THERE HAD BEEN DIVINE ANGER OWING

TO DESTRUCTION OF THE IMAGE OF TAMASVAMIN

HE PROCEEDED TO SEEK REFUGE WITH MARTANDA

TO SAVE HIS LIFE.

اُنکرش کی تخت نشینی

۱۰۹۰ عیسوی

کلش نے زندگی کے آخری ایام میں اپنے فرزند ہرش کو اسیر کروا دیا جب اُسے اپنی زندگی کا سورج ڈوبتا دکھائی دیا تو شفقتِ پدری سے مجبور ہو کر اس نے اپنے بیٹے ہرش کو تاج و تخت دینا چاہا۔ مگر اس خیال کی عمل آوری میں وزرا سخت مخل ہوئے[۱] مجبور ہو کر کلش نے "لوہر کی پہاڑیوں" سے اُنکرش کو بلا کر تخت نشین کروا دیا۔ کلش اب اپنے فرزند کو دھن دولت سونپ کر اسے ملک سے باہر جانے کو کہہ دیتا، مگر وزیروں نے جو ہرش کے مخالف تھے لوہر کے ٹھکروں کا سخت پہرہ بٹھا دیا۔ ہرش کو قید سے چھٹکارا نہیں ملا۔ کلش کے ہونٹوں پر مرنے کے وقت صرف ہرش کا ہی نام تھا۔ مگر کسی نے بھی مرنے والے کی آخری خواہش کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ راجا مر گیا اور اُنکرش کی تخت نشینی کے

---

۱ کلہن کے اس بیان سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس زمانے میں بادشاہت موروثی نہیں ہوتی تھی بلکہ راجا وزیروں اور ڈامروں کی مرضی سے ہی گدی پر بیٹھتا تھا۔ راج ترنگنی میں ایسے بھی کئی واقعات درج ہیں جبکہ برہمنوں کے بھوک ہڑتال پر خود سر راجا کو بھی برہمنوں کے سامنے اپنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہونا پڑا۔

سلسلے میں جشن ہونے لگے۔ کلش کے آخری رسوم اُس کے وفادار وزیر وامن اور اسیر فرزند ہرش نے ادا کئے۔ اتکرش نے ہرش کے سوتیلے بھائی وجے مل کو اپنا وظیفہ خوار مقرر کر دیا مگر وجے مل کو دل ہی دل میں نئے راجا کی سخت نفرت تھی۔ نیا راجا بڑے ترک و احتشام سے وارد شہر ہو گیا۔ چونکہ عوام ہرش کو راجہ دیکھنے کے متمنی تھے اس لئے وہ نئے راجا کی رسم تاجپوشی کے جشن سے کوئی مسرت حاصل نہ کر سکے۔ عوام میں ہرش کی مقبولیت کا یہ عالم دیکھ کر اتکرش نے جلد سے جلد ہرش کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا مگر اسی دوران وجے مل نے اتکرش پر حملہ کر کے اسے قتل کیا اب وجے مل تخت نشین ہونے کی تیاری کرنے لگا مگر وزیروں نے وجے مل کو مشورہ دیا کہ جب تک ہرش قتل نہیں ہوتا تب تک کوئی بھی راجا سکھ اور شانتی سے حکومت نہیں کر سکتا کیونکہ ہرش عوام میں کافی مقبول ہے اس لئے وجے مل بھی ہرش کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانے لگا یہ خبر ہرش کے چند وفا داروں نے اس کے کان میں پہنچا دی۔ ہرش غصے سے آگ بگولا ہو گیا وہ بے دھڑک تخت پر قابض ہونے کیلئے شاہی محل میں داخل ہوا۔[۱]

---

[۱] وجے مل نے جب شہر پر قبضہ کیا تو سب سے پہلے ہرش کو آزاد کیا۔ وجے مل نے یہ ایک سیاسی داؤ پیچ کھیلا اس طرح وہ لوگوں کی ہمدردی حاصل

وجے سنگھ نامی وزیر کی مدد اور مشورے سے بے دھرمک تخت پر قابض ہو گیا۔ سارے شہر میں جشن مسرت منایا گیا۔ وزراء نے ہرش کا خیر مقدم کیا اس طرح راجا ہرش ۱۰۹۰ء میں تخت نشین ہوا۔

ھرش

ہرش نے سب سے پہلے باغیوں کو کچل کے رکھ دیا امن واشتی کو بحال کر دیا۔ لوگ ایک مدت کی تباہی بربادی اور بے چینی کے بعد سکھ کا سانس لینے لگے۔ دربار میں شعراء، علما، فضلاء اور ماہرین سنگیت جمع ہونے لگے راجا ان ادیبوں اور فنکاروں کا قدر دان تھا۔ وہ خود بھی عالم و شاعر تھا۔ وہ دوپہر کو سوتا رہتا اور رات دربار میں بسر کرتا رہتا تھا۔ دربار میں ایک ہزار چراغ روشن کئے جاتے تھے۔ اُسے تفریحات کا خاصا شوق تھا۔ ہرش نے عام لوگوں کو پگڑی باندھنے کی اجازت دے دی۔ اس وقت تک صرف بادشاہ پگڑی باندھا کرتے تھے۔ وزراء کو چمکدار کوٹ پہننے کا حکم دیا۔

کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ہرش عوام کا ہر دلعزیز شہزادہ تھا۔ مگر اقتدار کے لالچ نے اُسے ہرش کو قتل کرنے پر راضی کیا۔ اس طرح اس کی صحیح سوچ پر خود غرضی کا پردہ پڑا۔

سوسل کی بغاوت

سوسل ہرش کے ایک رشتہ دار کا بیٹا تھا۔ وہ تنو مند اور خوب رو ہرش کے وزیر لکھشمی در کی بیوی کے پیچھے پڑ گیا۔ وزیر کو سوسل اور اپنی بیگم کے عشق کا علم ہوا تو وہ بادشاہ کے پاس یہ فریاد لے کر گیا کہ سوسل اور اس کے بھائی وچھل دونوں کے سر قلم کر دیئے جائیں۔ ہرش بہ ہزار مشکل اس کام کے لئے راضی ہو گیا ٹھگنا نامی ایک رقاصہ کے ذریعے دونوں بھائیوں کو اس بات کا علم ہوا دونوں وجیشور سے بھاگ کر اُتراسو (اوترسو) کے ڈامروں کے پاس چلے گئے یہ ۱۰۸۸ ھ کا واقعہ ہے۔ دونوں بھائی ادھر اُدھر فوجی مدد کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگے راجپوری کے راجا سنگرام پال نے اُچھل کو ہرش کے خلاف فوجی مدد دینے کا وعدہ دے دیا۔ اور سوسل کالنجر کے راجا سے مدد مانگنے کی بہت درخواست کرنے لگا۔ اس منظم سازش کی خبر پاتے ہی ہرش نے اُچھل اور سوسل کے باپ "مل" کو قتل کروا دیا اور اپنا گھوڑا اس کی لاش پر سے دوڑایا۔ حالانکہ "مل" وجیشور میں درویشانہ زندگی گذار رہا تھا اور ہرش کا وفادار تھا۔ اب ہرش حکومت کے نشے اور برے لوگوں کی صحبت کے اثر سے اسی ڈگر پر چل رہا تھا جس گمراہی کے گہرے غاروں میں اس کے پیشرو گر

چکے تھے۔ ہرش اپنے پیشروؤں سے ایک قدم اور آگے کو نکل گیا اس نے لوگوں کے مذہبی جذبات کو سخت ٹھیس پہنچائی۔ یہ بت شکن بن گیا اور مندروں سے دیوتاؤں کی مورتیوں کو باہر نکلوا کر شرابیوں کے ذریعے ان پر پیشاب پھیروا دیا۔ کلہن اس ظالمانہ حرکت کے بارے میں لکھتا ہے کہ جو دیوتا کل تک پجاریوں سے پوجے جاتے تھے وہی آج رسیوں سے باندھے ہوئے سڑکوں پر پھینک دیئے گئے تھے۔ سارے دیوتاؤں کی مورتیاں کوڑھ کے مریضوں اور شرابیوں کی تھوک اور لعاب سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ یہ سارا کام راجا کے ایک ناہنجار وزیر اُدے راج کے ذریعہ ہوا۔ اس نے سونے کی مورتیوں کو توڑ کر شاہی خزانہ میں جمع کروا لیا۔ اس افراتفری میں راجا کے قہر سے صرف دو مندر بچ گئے۔ ایک راجدھانی کا راما سوامی اور دوسرا مارتنڈ کا مندر۔ باقی سب شہروں کے مندر ویران اور تباہ حال ہو گئے۔ لہ

لہ ایسا راجاؤں کے دولت کے لالچ اور ترکوں کی صحبت میں رہ کر کیا۔
(ترنگ ۷ اشلوک ۱۰۹۰)

THERE AFTER THE TREASURES GRANTED

BY FORMER KINGS AND WHICH WERE MARVAL

ہرش نے کشمیر کے سارے مندروں سے جن میں وجیشور
مندر بھی شامل تھا، دیوتاؤں کی مورتیاں نکلوا کر اُن پر جپا دوں،
شرابیوں اور گوڑھ کے بیماروں کے ذریعے پیشاب پھروایا۔

OF THE WORLD. THE GREEDY MINDED ONE CARRIED

AWAY FROM ALL SHRINES OF THE GODS.

वदनेषु स नग्नाटैः शीर्ण घ्राणाङ्घ्रि पाणिभिः
मूर्तिनाशाय देवानां शकृन्मूत्राद्यपातयत् ॥ 1092
विबुध प्रतिमाश्चक्रुराकृष्टा गुल्फदामभिः
पूतकार कुसुमच्छन्ना भग्नलग्ननग्नारकाबुयः 1094

WHEN ALL THE TREASURES HAD BEEN SEIZED

TO REMOVE THE IMAGES OF THE GODS HE

APPOINTED ONE "UDAYRAJA" OFFICER FOR

UPROOTING THE GODS. ON THEIR FACES HE

CAUSED ORDURE, URINE AND THE LIKE TO

BE THROWN TO RUIN THE IMAGES, BY

NAKED MEDICANTS, WHOSE NOSES AND TOES

OF THE FEET AND HANDS HAD ROTTED.

وجبیشور کے بودھ مندروں کو مسمار کروا دیا۔ اس طرح لوگوں
کے مذہبی جذبات کو زبردست ٹھیس پہنچی۔ اور راجا کے
خلاف لوگوں کا غم و غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔ اس دوران سوسلا نے
کشمیر پر چڑھائی کی۔ ہرش کے سرحدی محافظ (دوار پال)
کو فوج سمیت تہہ تیغ کر کے علاقہ کمراز کو فتح کر لیا۔ پراسپور
میں اس مندر کو توڑ ڈالا جو ہرش نے اپنے بچپن کی یاد کو تازہ کرنے

ग्रामे पुरेऽथ नगरे प्रासादो न स कश्चन।
हर्ष राज तुरुष्केण न यो निष्प्रतिमीकृत ॥ 1095

THE IMAGES OF GODS WITH ROPES AT THE ANKLES

WERE DRAGGED AND COVERED WITH SPITTLE IN

LIVER OF FLOWERS BY THE MAIMED THE LEPERS

AND THE REST - V. 1094 CHAP: 7TH.

तस्य देवा बभूवौ [illegible]स्तां प्रभाविनौ।
नगरे श्री रणस्वामी मार्तण्डः पत्तने[illegible] ॥
1096

IN THE VILLAGE, THE TOWN OR IN SRINAGER

THERE WAS NOT ONE TEMPLE WHICH WAS NOT

DESPOILED OF ITS IMAGES BY THE TÜRK. KING

HARSHA (1095 CHAPTER 7TH)

کے لئے کسی نقصان کے بغیر رکھا تھا۔ اس کے دو ماہ بعد سوسل کا بھائی اوچپل بھی اس کے ساتھ آملا۔ ہرش کے مخالف ڈامر ہر جگہ نئے حملہ آوروں کے ساتھ ملتے گئے۔ کیونکہ ہرش نے بیشمار ڈامر سرداروں کو قتل کروایا تھا۔ آخر جب حملہ آور "ہرن پور" پہنچے تو یہاں پر براہمنوں نے سوسل کی تاجپوشی کی اس طرح سوسل بے شمار گاؤں کو نذرِ آتش کرتے ہوئے وجیشر کھیتر میں داخل ہوگیا۔ یہاں ہرش کے دو وزیر درشن پال اور پت، اوچپل کے ساتھ مل گئے۔ ہرش کا فوجی جرنیل "چندر راج" دورانِ کارزار کام آیا۔ بے شمار لوگ وجیشور مندر میں پناہ گزین ہوگئے۔ آخر تین دن کے بعد راجا سوسل ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر وجیشور مندر میں داخل ہوگیا۔ مندر میں اس وقت ہرش کا ممیرا بھائی "بجاسٹ" اور "اودایہ" تین مہمان راجے، راجکمار بہادر، اور دانا آری اٹھارہ ڈویژن فوجوں کے حاکمِ اعلیٰ تھے۔ نئے راجا نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اُن سے

جہاں مورخ سلطان سکندر کی بت شکنی کا ذکر انتہائی دردناک پیرایہ میں کرتے ہیں۔ وہاں وہ ہرش جیسے بت شکن راجا اور اشوک کا تذکرہ نہیں کرتے جس نے وجیشور کے مندر کو مسمار کرکے وہ تھاں "اشوک شیر" عام کی تعمیر کی۔ تاریخ دانوں کی ایسی متعصب تحریروں نے تاریخی واقعات کو مسخ کرکے رکھ دیا ہے۔

ہتھیار چھین کر ان کو قیدی بنایا گیا۔ ہرش کے وزیر "پٹ" نے کشمیر چھوڑنے کی اجازت مانگی جو منظور کی گئی اور یہ وزیر "متورک پور" گاؤں میں پہنچ کر جہاں اس کی بیوی بھی تھی۔ اپنا ارادہ تبدیل کرتا ہے۔ ادھر اوچل نے شہر پر حملہ کر دیا۔ ہرش ایک بھکشو کے گھر پناہ گزین ہوا جہاں اس کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔ اور اس کے بیٹے کو ہستی کرلن (واگہ لہمہ) میں جہاں وہ روپوش تھا قتل کیا گیا۔ کلہن ہرش کے بارے میں لکھتا ہے۔ "ایک گنہگار آدمی کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔"

جب ہرش کا سر اوچل کے پاس لایا گیا۔ اس نے اس کی طرف دیکھا نہیں بلکہ بہت دیر تک زار و قطار روتا رہا۔ جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے۔ سوسل کی تاجپوشی برہمنوں نے پہلے کی تھی لیکن وہ اپنے بڑے بھائی اوچل کے حق میں دست بردار ہو گیا تھا اوچل کے بارے میں کلہن نے لکھا ہے کہ اس نے کشمیر میں عام طور پر اور دیہاتوں میں خاص طور سے پرانی بوسیدہ عمارتوں کو ڈھا کر نئی عمارتیں تعمیر کروائیں۔ چکردھر تیرتھ کی گنبد اس نے

کلہن ہرش کی جنم پتری سے واضح کرتا ہے کہ ایسے راجا کا جیسک تارے اپنی اصلی جگہوں پر نہ ہوں یہی انجام ہوتا ہے۔ جنم پتری یوں ہے

تعمیر کیا تھا۔ یہ راجا شور اتری کے مقدس تہوار پر اس طرح دان (خیرات) کرتا تھا۔ جیسے بارش برستی تھی۔

سوسل ۱۱۱۲ عیسوی میں اپنے بڑے بھائی کی موت کے بعد تخت نشین ہوا۔ وہ بھی رفاہ عامہ کے کام میں دلچسپی لیتا تھا۔ اُس نے دھینور کے ایک شو بھگت کے بیٹے گورکھ کو اپنا وزیر اعظم بنا دیا۔ سوسل پندرہ سال تک بڑے امن و سکون سے زمام حکومت تھامے رہا۔ مگر پندرہ سال کے بعد "بھکشاچر" نامی راجا نے ملک پر چڑھائی کی۔ سوسل نے خزانوں کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ گھوڑوں کے سائیس، مرکیان، ٹانگے بان بھی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ سوسل نے زبردست مورچہ بندی کا اہتمام کیا۔ جب بھکشاچر قتل عام کرتے کرتے "سوے گرام" نامی جگہ پر پہنچا تو لوگ حملہ آور کا ساتھ دینے لگے۔ راجا نے اس جنگ سے پہلے گورکھ کو نکال دیا تھا۔ اور وزیر اعظم کے حامی راجا کے مخالف ہو گئے تھے۔ امرشیور میں بھی لوگ دشمن کی مدد کرتے گئے۔ راجدھانی میں پرتھوی ہر کا مقابلہ دشمن سے ہوا۔ "ہرتی پور" کے میدان جنگ میں تلاطم پیدا ہو گیا۔ وجیشور میں سیناپتی "ملکھ" مورچہ سنبھالے ہوئے تھا وہاں دشمن کی مدد "گھنڈوی گرام" (موجودہ گھنڈ وئی) کے ڈامر کر رہے تھے۔ اس لڑائی میں سوسل کے بڑے بڑے فوجی سردار کام آئے۔

سوسل کی حکومت بظاہر ہاتھوں سے نکلتے دیکھ کر بے ضمیر لوگوں کے دوہرے کردار نے اس جنگ میں خاصا رول ادا کیا۔ دن میں سوسل کے حضور میں دست بستہ رہنے والے ابن الوقت سیاسی شعبدہ باز رات کے وقت بکھشاچر کے حضور میں دست بستہ رہا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سوسل لوہر دلیش کی جانب راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔

بکھشاچر ۱۱۱۳ عیسوی میں تخت نشین ہو گیا اور اپنے سیناپتی کو بھاری فوج دیکر سوسل کو مارنے کیلئے لوہر دلیش روانہ کیا اور خود سیناپتی کی غیر حاضری میں اس کی حسین وجمیل بیوی سے ناجائز تعلقات قائم کر دیئے، عورت عیار و مکار تھی۔ عشوہ ناز سے راجا کے ہوش گم کر دیئے۔ انتظام سلطنت میں خلل واقع ہو گیا اور لوگ آمادۂ بغاوت ہوتے گئے انہیں سوسل جیسے راجا کی انتظامی لیاقت اور عوام دوستی کا زبردست احساس ہونا گیا۔ بھکشاچر نے وجیشور کے براہمنوں کو سرکار کی طرف عطا شدہ جاگیروں پر ٹیکس عائد کیا۔ برہمنوں نے بھوک ہڑتال کی۔ ان کی ہڑتال میں گوکل کے رہنے والے برہمنوں نے بھی بھوک ہڑتال کی۔ عام لوگ بھی برہمنوں کے حامی ہو گئے راجا پریشان ہو گیا اس نے براہمنوں سے معافی مانگ کر صلح کرنا چاہی۔ برہمن صلح پر راضی نہ ہو سکے بلکہ وہ اب بھی لمبی داڑھی

والے سوسل کو چاہتے تھے۔ سوسل نے جب یہ روئیداد سنی تو بھگتا چر
بھاگ کر شور پور نامی گاؤں کے ڈامروں کے یہاں چلا گیا۔ اور ڈامر
سرداروں کی اعانت و معاونت سے بکھری ہوئی طاقت اکٹھا کرنے

WHAT MORE ? THOSE WHO WERE OPENLY IN ATTENDENCE DURING THE DAY TO THE SOVERIEGN, WERE OBSERVED SHAMELESSLY STANDING IN FRONT OF BHIKSU DURING THE NIGHT

(793 . 8TH CHAPTER RAJ.T)

किमन्यद्व्यक्तमेवाह्नि येऽवसन्पार्थिवान्तिके
अलक्ष्यन्ताग्रतो भिक्षोस्ते निशायाँ गतत्रपा:

THE ENEMY FIALED EITHER TO KILL (باقی ۵۶ پر) OR CAPTURE THEM AS THEY WERE IN THE COURT YARD OF THE TEMPLE WHICH WAS FORTIFIED BY MARRIVE GATE WAY AND RAMPARTS OF TIMBER. (973: 8TH CHAPTER R.T)

एक: सुस्सलस: कोपाद्व द्वितीयो-
दस्युविप्लवात।
ईदृग्भूत वहा बाधो घोरचक्र-
धरेऽभवत॥ 991
त० 810

کا کوشش کی منکھ اور جے ڈامروں کی معیت میں بکھشاچر نے وجیشور پر دھاوا بول دیا۔ سوسّل کے سیناپتی ہرش منتر کے پاؤں اکھڑ گئے اور بکھشاچر نے سارے وجیشور کو آگ لگا دی لوگ حیران و پریشان چکردھر مندر کی فصیل کے اندر پناہ گزین ہو گئے فصیل اتنی مضبوط تھی کہ بکھشاچر کے سپاہی اس کو توڑ نہ سکے۔ اسی اثنا میں جنک راج نامی ڈامر نے فصیل میں آگ لگا دی۔ آگ اتنی ہولناک تھی کہ فصیل کے اندر ہزاروں لوگ اور مویشی خاکستر ہو گئے کلہن کے بیان کے مطابق اتنی ہولناک تباہی پہلے ششروس ناگ کے ہاتھوں ہوئی۔ جبکہ اس نے چکدھر کے عالیشان شہر کو خاکستر بنا دیا۔

977: ON SEEING THE BLAZING FLAMES SUDDENLY BURST FORTH THERE AROSE AT THE SAME TIME FROM THE MULTITUDE OF LIVING BEINS A COLO-SSAL WAIL OF WOE (V.977 8TH CHPTER. R.T) 984; THE SKY REVEBERATED WITH THE PITEOUS CRIES OF DISTRESS OF THE BIRDS HOVERING OVER THEIR NESTLINGS AND THE EARTH WITH THE PIERCING SHRIEKS OF HUMAN BEINGS WHO HAD CAUGHT FIRE

دوسری بار ظالم بکھشاچر نے ڈامروں کی مدد سے ہزاروں سہمے لوگوں، جن میں بچے، بوڑھے، جوان، مرد و عورتیں تھیں کو زندہ جلا ڈالا۔ ہزاروں لاشیں شہر کے چاروں طرف بے گور و کفن پڑی تھیں اور طعمۂ زاغ و زغن بنی ہوئی تھیں۔ سوسل اس تباہی کا بدلہ لینے کے لئے وجیشور پہنچا تو تباہی اور ویرانی دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ وجیشور کی تباہی ڈامر سرداروں اور

तावन्तो जन्तवस्तत्र व्यपद्यन्त तदा क्षणात्।
स्विन्ना एव न ये दग्धास्तावतापि कृशानुना॥
९८९ त॰ अ॰

990: THE TRICKING MASS OF DISSOLVED BLOOD, MARROW AND FAT FLOWED IN HUNDRED CHANNELS AND THE SIMMERING OF THE MASS OF DEAD BODIES WHICH WERE BEING COOKED (V. 990 8TH CHEP; R-T)

विलीनासृग्वसामेदोनिःष्यन्दाः सरणीशतैः।
प्रसस्रुर्विस्रगन्धस्य योजनानि बहून्यगात्॥ ९९० त॰ अ॰

991 ONCE BY THE FURY OF SUSRAYA AND THE 2ND TIME BY THE REVOLT OF THE DAMARA FREE BOOTERS SUCH GHASTLY SUFFERING FROM INCE- NDIARISM WERE INFLICTED AT CAKRADHARA-

بکھشاچر کے اعلیٰ فوجی افسروں پر گراں گذری۔ کیونکہ انہیں وجیشور کے
تقدس کا احترام تھا۔ نتیجہ کے طور پر وہ بکھشاچر کے خلاف ہو گئے اور
ایک وزیر ملہ کوشٹا کی بغاوت کے نتیجے میں سوسّل دوبارہ حکومت پر
قابض ہو گیا۔

سوسّل کی بغاوت کے بعد

۱۱۲۹ء میں جے سمہا تخت پر بیٹھا
اسے تخت نشین کرنے میں "سج"
نامی شخص نے کافی مدد کی۔ سج بہادر اور معاملہ فہم شخص تھا۔

मङ्खाख्यो डामरश्चित्वा शवान्नौनगरोद्भवः,
प्रीतिं प्रापैप्सितदीयार्थैः कापालिक इवाधिकाम्

995. A DAMARA OF NAUNAGARA NAMED MANKHA
SEARCHED THE CORPSES AND HAVING FOUND WHAT
HE DESIRED WAS PLEASED LIKE A KAPALIKA :

क्षिप्ताः केचिद्वितस्तायां केचिच्चक्रधराङ्गणे,
अक्रियन्ताग्निसात्कष्टुमशक्या
बहवः शवाः॥

1004 SOME CORPSES WERE THROWN IN TO THE
VITASTA. A LARGE NUMBER, WHICH COULD NOT

جے سمہا نے سج کو اپنا سیناپتی بنایا۔ اس راجا نے وجیشور کو خوبصورت سے خوبصورت تر بنانے کی پہل کی۔ مندروں کی مرمت اور ان کے خرچے کا اچھا انتظام کیا۔[1]

BE DRAGGED OUT, WERE CONSIGNED TO THE FLAMES IN THE COURT YARD OF CAURADHARA. (V-1004, 8TH, CH: R.T)

[1] کلہن نے جے سمہا کے ۲۲ سال کے سیاسی و اقتصادی حالات قلمبند کئے ہیں۔ جے سمہا کے دورِ حکومت میں ہی کلہن کی موت واقع ہوئی ہے اس کے بعد بڈشاہ کے دورِ حکومت میں جون راج نے کلہن کی سلسلہ وار کہانی بڈشاہ کے زمانے تک "زین راج ترنگنی" کے نام سے لکھی ہے جے سمہا کے بعد ہی شہمیری دور کا آغاز ہوتا ہے اور مسلمان بادشاہوں کے دورِ اقتدار میں وجیشور کی سیاسی اہمیت ختم ہوگئی کیونکہ ان بادشاہوں نے سرینگر اور اس کے آس پاس اپنی نئی راجدھانیاں بنائیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بڈشاہ نے اپنے نام پر "زینہ پورہ" کا گاؤں جو بجبہاڑہ کے پاس ہی ہے، بسایا۔

[2] مہاراجہ اشوک کے بارے میں کشمیر کے تاریخ دانوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ تو اشوک اعظم جو ہندوستان پر حکومت کرتا تھا، مانتے ہیں اور کچھ نکتہ داں یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ راج ترنگنی میں جس اشوک کا ذکر ہوا ہے اور جس نے وجیشور میں دو بدھ خانقاہیں، "اشوکی شیر" نام سے بنوائی

عہدِ سلاطین

میر سید علی ہمدانیؒ جنہیں حضرت شاہِ ہمدان بھی کہتے ہیں کی آمد سے پہلے کشمیر میں اسلام پہنچ چکا تھا۔ مسلمانوں کی آمد کا حوالہ ہرش کے دورِ حکومت میں ملتا ہے۔

IT WAS IN THE ELEVENTH CENTURY THAT A SERIOUS ATTEMPT WAS MADE BY MOHD OF "GAZ NAH" TO

تھیں۔ دراصل وہ کشمیر کا ہی راجا تھا۔ اب حال ہی میں چکدرہ کے پاس کھدائی سے گپتا خاندان اور موریہ خاندان کے آثار ملے ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ موریہ حکومت کشمیر تک پھیلی ہوئی تھی۔ تفصیل "سیمیتھن تہذیب" میں ملاحظہ ہو

• کلہن "ملیچھ" لفظ ترکوں، ہُن قوم اور مسلمانوں کے لئے استعمال کرتا ہے۔ مہر کل کے دور میں "ملیچھ" پہلی بار کشمیر آئے (ملیچھ غیر ملکی زبان بولنے والے کو کہتے ہیں۔ (حوالہ راج ترنگنی۔ آر، ایس، پنڈت۔ چوتھا ترنگ)

THE MLECCHA HORDES REFFERRED TO HERE ARE THE EPHTHALITE HUNS, WHO FOUNDED AN EMPIRE ON THE OXUS, DESTROYED THE GRACCO-BUDDIST

OCCUPY THE VALLEY; BUT BRAVE KASHMIRI SOLDIERS STOPPED HIM TWICE AT LOHORKOT AND ALBARONI HAD TO REMARK THAT THE KASHMIRI'S ARE PARTICULARLY ANXIOUS ABOUT THE NATURAL STRENGTH OF THEIR COUNTRY. BUT THESE INVASION OPENED THE DOOR FOR MUSHIM SAINTS, WHO VISITED KASHMIR IN THE REIGN OF HARSHA.

STEIN, REF IN "CHRIST IN KASHMIR BY

F.M HUSSAN ON PAGE 82.

محمد بن قاسم نے آٹھویں صدی میں ہندوستان کے جنوب پر چڑھائی کی تھی اور اس زمانے سے مسلمان ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جانے لگے تھے۔ کشمیر میں بھی مسلمان صوفیوں سنتوں کی آمد کے حوالہ جات قدیم عربی اور فارسی تاریخوں میں ملتے ہیں۔ مگر اسلام کو اپنی پوری جامعیت کے ساتھ حضرت

CIVILIZATION IN THE NOTHERN INDIA, WHERE THEIR HEADQUARTERS WERE AT SAKALA. (SAILKOT)

REF; R.T BY R.S PANDIT CHEPTER 42TH

شاہِ ہمدانؒ ہی نے اپنے تین مبارک دوروں کے دوران کشمیر کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ بعد میں اُن کے فرزند ارجمند سیّد میر محمد ہمدانیؒ کشمیر میں اپنے دس سالہ دورِ قیام میں صدائے توحید کو عام کرتے گئے۔ کشمیر کے عام لوگ رِشی فلسفہ کے قائل تھے، جو وحدت الوجود کا قائل اور بُت پرستی کا مخالف ہے۔ ذات پات، رنگ و نسل کے علاوہ ظاہرداری کا بھی دشمن ہے۔ اسلامی تعلیمات بھی چونکہ وحدت الوجود، ذات پات، رنگ و نسل کے خلاف عالمی امن، انسان دوستی اور بھائی چارے کا درس دیتی ہے۔ لہٰذا فلسفی یا سماجی پس منظر میں ان دو فلسفوں کا کہیں ٹکراؤ نہیں ہوا۔ؔ

کشمیر کے آخری ہندو راجا سہم دیو ۱۲۵۹ء نے ترک بادشاہ ذُلچو سے شکست کھاکر وجیشور کھیتر میں پناہ لی۔ وہ دچھن پورہ پہاڑوں میں روپوش رہ کر جنگی تیاریاں کرنے لگا۔ جب ترک بادشاہ ۱۲۸۷ء میں مراجعت کر گیا۔ تو سہم دیو واپس آکر تخت

۱؎ بلکہ ان دو تہذیبی دھاراؤں کے ملن کا خوشگوار اور دل لبھانے والا پہلو ہمارے ذہن کے دریچوں کو وا کر کے تخلیقی اور روحانی بلندی کے اسرار رموز و انکشاف صورت میں پیش کرتا ہے وہ کشمیر کا رشی فلسفہ ہے۔ یہ فلسفہ اسلامی تعلیمات، شیومت اور بدھ مت سے ” وادی کا نچوڑ ہے (ریشیات کا حوالہ، ص، کلچرل اکاڈمی، مصنف)

قابض ہوگیا۔ ازاں بعد تاتاری جنگجو زلیچو نے کشمیر پر حملہ کیا اور اس سرزمین پر ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا۔ اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجاکر واپس جاتے وقت کشمیر کے عموماً اور وجیشور کے براہمن

کشمیر میں ریشیت کی ابتدا کب ہوئی؟ یہ بتانا مشکل ہے۔ تواریخ کے مطالعہ سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ کشمیر میں ریشی سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آیا ہے۔ ہندو اور بدھ ادوار میں بھی ریشی مسلک کے افراد جو ان دونوں مذاہب کے اصولوں سے وابستہ رہے ہے کشمیر میں کسی نہ کسی صورت میں موجود تھے۔ یہاں تک کہ ۷۲۲ ہجری میں جب کشمیر میں اسلام کا پرتو پڑا تو رفتہ رفتہ ریشیت بھی اسلام سے متاثر ہوئی، اور اسلام کے اصولوں کے مطابق اس کی تجدید ہوئی۔ حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ اس کاروان کے علمبردار تھے۔ اس کے بنیادی اصولوں میں بھائی چارہ، پرہیزگاری، نفس کشی، عبادات واذکار، امن و رواداری شامل تھے۔ یہ فلسفہ آج سات سو سال سے اپنی افادیت کی وجہ سے فیضان کا باعث ہے۔ یہ اسی فلسفہ کی دین ہے کہ کشمیر میں صدیوں سے چلی آرہی انسان دوستی اور بھائی چارہ جوں کا توں قائم ہے۔ کشمیر میں اسلام تلوار کی طاقت سے نہیں بلکہ محبت کی مٹھاس سے پھیلا ہے۔ کلہن بھی اس ضمن میں رقمطراز ہے کہ "کشمیر کے لوگ تلوار سے نہیں بلکہ برے اعمال سے ڈرتے ہیں"

عالموں کو خصوصاً اسیر بناکر اپنے ساتھ لے گیا۔ دیوسر پہاڑوں کو پار کرتے ہوئے زلیچو معہ فوج ولشکر واسیران محن برفانی طوفان میں پھنس کر عدم کو سدھارے۔[1]

زنگیو ریچن تبتی شہزادہ۔ شہمیر (سوات) اور لنکر چک دردستان علاقے سے آکر راجا سہم دیو کے ہمدردیوں میں شامل ہو گئے۔ راجا نے بڑی بڑی جاگیریں ان کو عطا کیں۔ سہم دیو کے بعد ریچن تخت نشین ہوا (۱۳۲۵-۲۷) تو اس نے براہمنوں سے اپیل کی کہ اسے ہندو مذہب میں شامل ہونے کی اجازت دی جائے مگر براہمنوں کی ایک جماعت جن کی رہبری دیوسوامی براہمن کر رہے تھے، راجا کی اس اپیل کو ٹھکرادیا۔ اس کے بعد بلبل شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد ریچن براہمنوں کے سخت خلاف ہو گیا اور اپنی پہلے بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے براہمنوں کا قتل عام کروانے لگا وجیشور کے لوگ مارے خوف کے جنگلوں میں بھاگ گئے۔ وجیشور کے مشہور تجارتی، علمی و معالجاتی قبیلے مثلاً ٹاک، ابود، وید، بھدر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ صرف ایک خاندان "بھوت ناتھ" ریچن شاہ کے مظالم کے آگے ڈٹ گیا۔[2]

---

[1] حوالہ قلمی نسخہ "وجبیشور وشو ودھیالیہ درشن"

[2] حوالہ قلمی مسودہ۔ مملوکہ پریم ناتھ شاستری (جبا گھرانہ بھی "بھوت ناتھ" قبیلے سے تعلق رکھتا ہے)

سلطان سکندر نے ۱۴۰۰ء میں وجبیشور پر حملہ کر دیا اور وجبیشور مندر کو منہدم کر دیا۔ جب بادشاہ سونا حاصل کرنے کے لئے مندر کی بنیاد کھدوا رہا تھا[ل] تو اُسے ایک تامر پتر (تانبے کا پٹہ) ہاتھ آیا۔ جس پر مندرج تھا۔

یعنی کلجگ کے زمانے میں ایک بادشاہ یہاں آئے گا اور بسم اللہ کا منتر پڑھ کر اس مندر کو ڈھا دیا جائے گا۔ اور یہ مندر ختم ہوگا۔
کہا جاتا ہے کہ سلطان سکندر تامر پتر دیکھ کر حیرت زدہ ہوگیا اور اپنے فرزند غازی خان کو آئندہ ایسا کام کرنے سے منع کیا اس کے بعد سلطان نے ایک ہندو کو وزیرِ اعظم بنایا اور ایک ہندو لڑکی سے شادی بھی کی۔ مگر اس بیوی کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ بجبہاڑہ میں ہی سلطان سکندر کے پیر و مرشد حضرت سید محمد قریشی کا مدفن اقدس بھی ہے۔ ۱۴۰۰ء ہی میں سلطان نے اپنے مرشد کامل کے حجرے کے قرب میں حضرت بابا لقیب الدین غازی کے آستان عالیہ کے جنوب میں جامع مسجد بجبہاڑہ تعمیر کرائی۔

[ل] ہل ہندو مکان کی بنیاد ڈالتے وقت اس میں سات قسم کی دھات ڈالتے ہیں چونکہ وجبیشور مندر نہایت متبرک تیرتھ مانا جاتا تھا۔ اسلئے سلطان نے سوچا کہ اس کی بنیاد میں بیشمار سونا ڈالا ہوگا۔

سلطان زین العابدین (بڈشاہ) ۱۴۲۳ء میں تخت نشین ہوا۔

اس نے میدانی علاقوں سے بھاگے ہوئے کشمیری پنڈتوں کو واپس بلایا۔ جن میں مہیشر ناتھ کول اور سرزا پنڈت دھر سر فہرست ہیں۔ ان کے لواحقین کو جو صدیوں سے کشمیر میں آباد ہیں "بھانہ ماسی" کہتے ہیں۔ بجبہاڑہ کے "ٹکو" قبیلے سے تعلق رکھنے والے افراد بھی "بھانہ ماسی" کہلائے جاتے ہیں مگر سلطان زین العابدین کے زمانے میں ہندو فرقہ دو حصوں میں تقسیم ہوا۔ اس وقت یہ تقسیم خوشنما طریقے سے ہوئی مگر بعد میں اس تقسیم نے ہندو جاتی کو دو الگ فرقوں میں تقسیم کر لیا جو ذات پات کے بندھنوں میں ایسے جکڑے گئے کہ ایک فرقہ دوسرے سے کسی قسم کا سماجی رشتہ جوڑ نہیں سکا اور آج کل بھی یہی حال ہے۔ واقعہ یوں ہوتا ہے کہ بڈشاہ کی فراخدلی، انسان دوستی اور عظیم قدروں کی آبیاری کے تحت اس نے اہل ہنود کو سرکاری نوکری میں اکثر جگہیں فراہم کیں۔ اُن لوگوں کو جنہوں نے بادشاہ کی ملازمت اختیار کی "کارکن" کہا جانے لگا اور وہ جو ذکر اُپج، زمینداری میں لگ گئے انہیں "باچھ بٹہ" کہا جانے لگا۔ اس زمانے میں کارکن اور باچھ بٹہ آپس میں شادی بیاہ اور دوسرے سماجی رسم و رواج میں ایکدوسرے کے ساجھے دار تھے۔ مگر آج یہ ایک ہی قوم کی دو الگ الگ تہذیبی شاخیں ہیں لہ ۵

لہ ۵ (صفحہ ۷۸ پر ملاحظہ ہو)

بڈشاہ نے چکدر کے پانی کا نکاس کرنے کے لئے ایک نہر کھدائی جس کے آثار آج بھی یہاں موجود ہیں۔ عوامی حکومت نے اس نہر کے سرے پر ایک گیٹ بنوایا تاکہ سیلاب کا پانی چکدر کے اندر نہ آسکے اس کے علاوہ اس نے اپنے نام پر "زینہ پورہ" کا گاؤں بسایا۔ جب بڈشاہ فوت ہوا تو جونراج نے اپنے محبوب بادشاہ کی جدائی میں ایک مرثیہ لکھا جس کا عنوان ہے ؎

"زین العابدین گھما در خلد بریں   بے نور شد تاج و نگین
بے نور شد ارض و سماء"

ؒ HINDUS GAINED GREAT FAVOUR UNDER HIM, AND GOT MANY OFFICES IN THE STATE. THOSE WHO ACCEPTED OFFICES CAME TO BE CALLED AS "KARKUNS" OFFICIAL CLASS AND THE REST AS (BACHA BATTA) - THE LATER DEVOTED THEMSELVES TO THE RELIGIOUS STUDY AND PERFORMANA VEDIC RITES. THE TWO SECTIONS NOW FORM TWO DISTINCT CASTS AND STILL DO NOT INTERMARRY "KAS. THEN AND NOW"

BY G.L KOUL PAGE 35.

لنکر چک کے بعد چک خاندان کا پہلا بادشاہ غازی چک تھا یہ بادشاہ ۱۵۵۷ء میں تخت نشین ہوا۔ حکومت کا انتظام سنبھالنے پر اچانک یہ سلطان حسن شاہ کے حق میں حکومت سے دست بردار ہو گیا بعد میں اپنی غلطی پر پشیمان ہو کر فوج اکٹھا کر کے حسن شاہ سے لڑنے لگا۔ مگر شکست کھا کر وجیشور کھیتر کے زینہ پورہ کے علاقے میں روپوش ہو گیا۔

سلطان شہاب الدین ۱۵۶۷ء نے وجیشور میں مندروں کی مرمت کروائی، اور ایک سرائے بھی تعمیر کی۔

یعقوب چک ۱۵۸۵ - ۱۵۸۶ء یوسف شاہ کے قید ہو جانے کے بعد اس کا بیٹا مغل سامراج کے خلاف علم بغاوت اٹھانے لگا۔ اس نے بجبہاڑہ کے وچھین پورہ علاقے میں چھاپہ مار فوج کو تربیت دی۔ اس زمانہ میں "کوکہ فرقے" نے یعقوب چک کا ساتھ دیا۔ ڈارکھن کے مقام پر مغل فوج اور کشمیریوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ آج بھی علاقہ بجبہاڑہ کے "ملیہ ہور" گاؤں میں اس فرقے کے لوگ آباد ہیں۔

مغل دور

دارا شکوہ: شاہجہاں کا بیٹا تھا۔ انتہائی ذہین، عالم، فلسفی

اور متقی تھا۔ حضرت بابا نصیب الدین غازی کے حلقہ ارادت میں شامل تھا۔ اس نے رگ وید کا فارسی میں ترجمہ کروایا ہے وہ کچھ مدت تک بجبہاڑہ میں رہا اور یہاں ایک باغ بنوایا جو آج بھی باغ دارا شکوہ (پادشاہ باغ) کے نام سے مشہور ہے

پٹھان دور

لوگ جب مغل گورنروں سے تنگ آ گئے تو میر مقیم کنٹھ اور مہانند جو دھر نے افغانوں کو کشمیر پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ کشمیر کی فتح کا سہرا احمد شاہ درانی کے سر بندھا ہے جس نے ۱۷۵۳ء کو کشمیر پر افغان حکومت مسلط کر دی۔ افغان دورِ حکومت کشمیر میں افراتفری کا زمانہ تصور ہوتا ہے بقول سر والٹر لارنس:۔

IT WAS THE TIME OF BRUTAL TYRANNICAL RULE, UNRELIEVED BY GOOD WORK OF CHIVALRY OR HONOUR. THE WHOLE PERIOD WAS A PERIOD OF CRUEL REIGN AND ANARCHY.

اس دور میں پٹھانوں نے "تکو" قبیلے کے ایک ہونہار اور عقلمند آدمی نندرام تکو کو افغانستان کی حکومت کا وزیرِ اعظم مقرر کیا اور اس کے نام پر سکہ رائج کیا ہے۔ پٹھانوں کا آخری گورنر

جبار خان ۱۸۱۹ء تھا اس نے اہل ہنود کو پھاگن کے بجائے ہاڑ[2] مہینے میں شیوراتری منانے کا حکم دیا۔ مگر پھر اپنے حکم کو واپس لیا۔

سکھ دور

سکھوں کی حکومت ۱۸۱۹ء سے شروع ہوتی ہے۔ اس دور میں کشمیر میں قحط سالی رہی اور ایک زبردست بھونچال آیا۔

---

[1] اس تقریر سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ پٹھان لوگ تنگ نظر اور متعصب نہیں تھے۔ (حوالہ کشمیر دین اینڈ ناؤ، جی ایل، کول۔ صفحہ ۵۴۔ دور وزارت ۹۴۔ ۱۷۹۳ عیسوی)

[2] کہتے ہیں کہ جب شام کو پوجا کا وقت ہوا تو سخت برف باری شروع ہوئی جس سے چاروں طرف سخت تباہی مچی۔ جبار خان نے جب برف گرتے دیکھی تو منہ سے بے اختیار نکل گیا "یا حیرت" مسلمان اسی نسبت سے شیوراتری کو ہیرت کہتے ہیں۔ ورنہ ہیرت کی شیوراتری سے کوئی معنوی ہم آہنگی نہیں ہے مگر جہاں تک حقیقت پسندی کا تعلق ہے ایسا واقعہ عقل سے اور جغرافیائی عمل سے مطابقت نہیں رکھتا دراصل جبار خان کے ہی دور میں افغان سلطنت کا سورج کشمیر میں غروب ہوتا ہے لہذا معتقد حضرات نے پٹھانوں کے خلاف کو شیوراتری کے واقعہ سے جوڑ کر مثال

اس خوفناک بھونچال کا تذکرہ کسی آنند رام نے ایک لیلا کی صورت میں کیا ہے۔[1] لیلا کا نام "پرے ورنن" ہے اس کے مطابق بھونچال کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وتستا کا پانی پہلے تھم گیا پھر کتری ٹینگ (نزد بچھبہاڑہ) کے لدر نالے میں اس زور سے داخل ہوا جیسے کوئی پہاڑی دریا ڈھلوان سے بہتا ہو۔ پنڈت آنند رام کی حکایت کو ایک انگریز پولیٹکل ایجنٹ مسٹر وِنے (VIGNE) یوں تصدیق کرتا ہے:

ON THE NIGHT OF JUNE 26, 1828 TWENTY-FOUR OF ZELHAJ YEAR OF HIJRI 1244 AT HALF PAST TEN A VERY STRONG EARTH QUAKE WAS FELT

سی قائم کی کہ دیکھا برف گری کہ نہیں" کیونکہ شیوراتری پر برف شگون نیک سمجھا جاتا ہے۔

[1] لیلا مملوکہ شری مدھوسودھن شاستری

عنوان: گبھ ٹھ کار مندین گو ایشرے
تھر ساس گھر گھر ووتھ الزر
وتھ ووفی درلوگ ہموودر
ویلہ ووت پر لیگ زن محشر

دوپہر کے وقت اچانک قیامت کا سماں پیدا ہوا۔ اے ایشور ہمارے خوف کو دور کر ہر گھر پر موت منڈلا رہی ہے وتستا کا پانی تھم گیا ہے۔ اے ایشور مجھے حالات بتا رہے ہیں کہ قیامت کا وقت آن پہنچا ہے۔ چاروں طرف ہلاکار مچی ہوئی ہے۔

1244 AT HALF PAST TEN A VERY SEVERE EARTHQUAKE WAS FELT, WHICH SHOOK DOWN GREAT MANY HOUSES AND KILLED A GREAT NUMBER OF PEOPLE AND 1200 HOUSES SHAKEN DOWN (IN SRINAGAR ALONE) THE EARTH OPENED IN SEVERAL PLACES ABOUT THE CITY AND WATER RATHER WARM ROSE RAPIDLY FROM THE CLEFTS & THEN SUBSIDED. THE CLEFTS BEING IN SOIL SOON CLOSED AGAIN ON THAT NIGHT ONLY ONE SHOCK TOOK PLACE, BUT BEFONE SUNRISE THERE WAS ANOTHER ACCOMPANIED BY A TERRIFIC AND LENGTHENED EXPLOSION, LOUDER THAN A OCEAN, ON THAT DAY THERE WERE TWENTY SUCH SHOCKS EACH WITH A SIMILAR EXPLOSION. THE RIVER SOME TIME APPEARED TO STAND STILL AND THEN RUSHED FORWARD AND FOR THE REMAING SIX DAYS OF ZELHAJ

AND WHOLE OF THE NEXT TWO MONTHS OF "MOHARRAM" AND "SAFUR" THERE WERE NEVER LESS THAN HUNDRED AND SOME TIMES TWO HUNDRED OR MORE SHOCKS IN A DAY ALL ACCOMPANIED WITH AN EXPLOSION:

رات کو ایک ہی جھٹکا محسوس ہوا مگر صبح تڑکے ہی دوسرا خوفناک جھٹکا ہوا اور اسی کے ساتھ زبردست دھماکے کی آواز سنائی دی جیسے کوئی سمندر گرج رہا ہو۔ دن کے وقت ایسے ہی ۲۰ جھٹکے اور ساتھ ساتھ دھماکوں کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ دریا کا پانی پہلے تھم گیا مگر پھر انتہائی تیزی سے بہنے لگا اور یہ جھٹکے ذی الحج، محرم اور صفر کے مہینوں تک جاری رہے اس کے ساتھ طاعون کی بیماری نے ہزاروں لوگوں کو لقمہ اجل بنا دیا

اس دور کا دوسرا کوئی خاص واقعہ نہیں ہے جس کا تعلق بجبہاڑہ سے ہو۔ البتہ اس دور میں عبدالاحد ناظم کے استاد باکمال و بسیار گو سخنور محمد خلیل مقبل گذرے ہیں۔

ڈوگرہ شاہی

مہاراجہ گلاب سنگھ ڈوگرہ خاندان کا بانی تصور ہوتا ہے وہ پہلے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے لشکر میں ایک چھوٹی سی ٹکڑی کا انچارج تھا اور تنخواہ تین روپے ماہانہ تھی۔ مگر اپنی وفاداری اور بہادری کی وجہ سے وہ رنجیت سنگھ کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہونے لگا۔ اس کے بعد جب انگریزوں نے پنجاب کو اپنی حکومت میں شامل کیا تو گلاب سنگھ نے ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو ریاست جموں و کشمیر انگریزوں سے ۷۵ لاکھ روپے میں خریدی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ ۹ نومبر ۱۸۴۶ء صبح آٹھ بجے شیر گڈھی کے دربار ہال میں پہلی بار داخل ہوا۔ گلاب سنگھ کی وفات کے بعد اس کا تیسرا بیٹا رنبیر سنگھ ۱۹۱۲ بکرمی میں تخت نشین ہوا۔

رنبیر سنگھ کے دور حکومت کی کارکردگی اس کے تین کارناموں سے پرکھی جا سکتی ہے۔

۱۔ راجا نے نظام حکومت کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ دفتر نظامت، دفتر دیوانی اور دفتر جنگی۔

۲۔ لوگوں کو انصاف مہیا کرنے کے لئے جموں و کشمیر عدالت صدر قائم کی اور ہر کسی بڑے قصبے میں سکول قائم کئے۔ اسی

دور میں بجبہاڑہ میں ایک سرکاری پرائمری سکول کھولا گیا جو اب جونیر کالج میں تبدیل ہوا ہے۔ رنبیر پنیل کوڈ بھی اسی راجا نے جاری کیا۔

باتہال کارٹ روڈ کی تعمیر اس سڑک کی تعمیر سے بجبہاڑہ کی تجارت پر ناکارہ اثر پڑا۔ کیونکہ تجارتی منڈی قاضی گنڈ منتقل ہوئی۔ اس وقت تک سارا کاروبار دریائی راستے سے ہوتا تھا اور بجبہاڑہ کو خاصی تجارتی اہمیت حاصل تھی۔

اس راجا نے بجبہاڑہ میں ہرشچندر مندر تعمیر کروایا جو فن سنگتراشی کا اعلیٰ نمونہ تصور ہوتا ہے۔ اسی مندر کے احاطہ میں مشہور تاریخی پتھر "کاہ کاہ پل" بھی رکھوایا گیا ہے۔[۱]

سنہ ۱۸۸۵ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ تخت نشین ہوا۔ پرتاپ سنگھ کے دورِ حکومت میں پرائمری سکول کا درجہ بڑھا کر مڈل سکول کر دیا گیا۔ ایک ایلوپیتھک ڈسپنسری قایم ہوئی

---

[۱] باتہال کارٹ روڈ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے دورِ حکومت میں موٹر گاڑیوں کی آمدورفت کیلئے پکی بنائی گئی اور اس کی تعمیر کا کام ۱۹۲۲ء میں مکمل ہو گیا۔

محکمہ گیمز کا بلاک دفتر اور جنگلات محکمہ کا رینج آفس گیسٹ بلڈنگ میں کھولا گیا۔ اسی راجا کے دور میں زمینی ماہر و تاریخ دان سر والٹر لارنس کشمیر آیا۔ اس نے زمینی پیمائش کے علاوہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "الساینڈ کشمیر" لکھی ہے جس میں وجیشور کے بارے میں تفصیلی ذکر ملتا ہے پرتاب سنگھ کے دورِ حکومت میں ریشم خانہ کھولا گیا۔ ریشم کے کیڑوں کے بیج تقسیم کرنے کا مرکز بجبہاڑہ میں قائم کیا گیا۔ سارے مراز علاقہ کے لوگ یہیں سے یہ بیج حاصل کرتے تھے۔ موسم بہار میں بجبہاڑہ میں لوگوں کا سیلاب امڈ آتا تھا لوگوں کی یہ بیڑ بھاڑ آج تک "گوتہ مالیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس راجا نے ۱۹۱۰ء میں سنگم پل تعمیر کیا۔ ہریشچندر مندر کے لئے جاگیر وقف رکھی چنار باغ کی خوبصورتی کی طرف توجہ دی۔ راجا دربار موُ کے وقت تین دن اس چنار باغ میں قیام کرتا تھا۔ بجبہاڑہ میں محکمہ بندوبست کی ایک نیابت قائم ہوئی اور پولیس چوکی کا قیام عمل میں آیا اس دور میں اہلِ ہنود کی مذہبی تنظیم آریہ سماج جو بت پرستی کے خلاف ہے بجبہاڑہ پہنچ گئی۔ مرزائی تحریک کا اثر بھی اس زمانے میں بجبہاڑہ کے چند گھرانوں میں پہنچ گیا۔

۱۹۲۴ء میں اننت ناگ کے ناگہ بل میں زمین کے ایک ٹکڑے پر زبردست تناو پیدا ہوا۔ بجبہاڑہ کے چند نوجوانوں نے بھی

اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا (تفصیل آگے ملاحظہ کیجئے) دراصل یہیں سے تحریک حریت کشمیر کی ابتدا ہوتی ہے، اور ۱۹۳۱ء میں یہ تحریک اندر ہی اندر پک کر میدان میں مقابلے کو آئی۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے حکم سے کشمیر کے اکثر بڑے بڑے سرمایہ دار گھرانوں پر زمین خریدنے کی پابندی عائد کر دی گئی۔ بجبہاڑہ میں بھی اس حکم کا اثر ٹاک، راول، اور امر چند مہانند رام وغیرہ گھرانوں پر پڑا

مہاراجہ ہری سنگھ ۱۹۲۵ء میں تخت نشین ہوا۔ اس راجا نے سٹیٹ سبجیکٹ قانون کو سختی سے لاگو کیا۔ جس کی رو سے کوئی بھی بیرون ریاست کا باشندہ نہ تو کشمیر کی سول سروس میں شامل ہو سکتا اور نہ ہی ریاست میں زمین خرید سکتا ہے۔ آج بھی یہ قانون جاری ہے۔ اسی دور میں آزادی کی تحریک جو ۱۹۳۱ء میں شروع ہوئی تھی، بام عروج کو پہنچ گئی۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف بغاوت کا اعلان "کشمیر چھوڑ دو تحریک" سے ہوا۔ اس کی رہنمائی شیخ محمد عبداللہ کر رہے تھے۔ بجبہاڑہ میں بھی نیشنل کانفرنس تحریک کافی زوروں پر تھی۔ ۱۹۳۱ء میں مہاراجہ کے حکم ۷-۱۹ کے تحت بجبہاڑہ میں گولی چلی جس میں تین آدمی شہید ہوئے۔ مسلم کانفرنس نے "دارالعلوم" کے تحت ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ اور نیشنل کانفرنس نے "اتالیق الاسلام" مدرسہ قائم کیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب سارا ہندوستان بغاوت کی راہ پر گامزن تھا۔ آزادی کے

سورما وار وسن کی آزمائشوں سے گذر رہے تھے۔ اس دہکتی آگ کی چنگاریاں کشمیر تک آپہنچی۔ سارا کشمیر جیسے صدیوں کی نیند سے جاگ پڑا۔ بجبہاڑہ کے سورماؤں نے بھی اس ظلم و بربریت کے خلاف سینہ تان دیا۔ اس طرح سے مہاراجہ ہری سنگھ کا دور نئی سحر اور نئی منزلوں کی طرف چلنے کا وقت تھا جس میں بجبہاڑہ کے مجاہدوں نے بھی اپنا بھرپور حصہ ادا کیا۔

بابِ دوم

بجبہاڑہ کے تاریخی و مقدس مقامات

آستانہ عالیہ ابو الفقرا حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ

یہ آستان بجبہاڑہ کے شمال مشرق میں تعمیر ہوا ہے۔ یہ آستان پاک حضرت نصیب الدین غازی صاحب کے خلیفہ اول خواجہ جانی بابا کے فرزند محمد زاہد نے ۱۱۲۷ھ میں تعمیر کیا تھا۔ یہ کشمیر کے اعلیٰ فنی نمونوں

میں شمار ہوتا ہے ۔ ڈورک طرز کی تعمیر پر چار بام چھت لگی ہے اور گنبد کے اوپر طلائی روغن سے آراستہ چھتر د پر نگ چڑھا ہوا ہے ۔ اس کی پنجر کاری کھڑکیوں اور خاص دروازے پر کھدائی کا کام اپنی مثال آپ ہے اس کے ورنڈا کے چاروں طرف دیودار کے ۳۲ ستون لگے ہیں اور یہ ورنڈا لمبائی میں تقریباً ۴۶ فٹ ہے ۔ محراب نما کھڑکیاں اور دروازے آستان عالیہ کی خوبصورتی میں چار چاند لگاتے ہیں ۔ دیواریں سفید روغن اور بلورین شیشے کی آمیزش کا ایسا منظر دکھاتی ہیں گویا سنگِ مرمر کا ایک محل بنا ہو ۔ آستان عالیہ کا رُخ جنوب کی طرف ہے اور سامنے وسیع صحن پاک ہے ۔ صحن کے مغربی سرے پر حاجہ بابا کی بنائی ہوئی خانقاہ ہے ۔ جو عمدہ کاریگری اور فن تعمیر کا بے مثال نمونہ ہے صحن پاک کے مشرقی حصے میں ایک سرد خانہ بنا ہوا ہے اس کے ساتھ ہی میٹھے پانی کا ایک کنواں ہے جس میں سارا سال پانی کی سطح ایک جیسی رہتی ہے ۔ روضہ شریف کا اندرونی کمرہ ۴۴ فٹ لمبا اور ۳۴ فٹ چوڑا ہے ۔ روضہ شریف میں بابا نصیب الدین غازی کے چہیتے خلیفے دفن ہیں ۔ جن میں حاجی بابا صاحب ، بابا شمس الدین گنائی صاحب ، سید علی خان صاحب چپوڑا رشی ، حافظ عبداللہ صاحب ، محمد زاہد صاحب ، وغیرہ شامل ہیں اور صحن پاک میں بے شمار علماء ، مشایخ اور حافظِ قرآن مدفون ہیں ۔

صحن پاک کے مغربی کونے پر بدھ دور اور کارکوٹ خاندان کے کچھ یادگاری پتھر ملے ہیں۔ جو ماضی کے دریچوں کو وا کرتے ہیں۔

خانقاہِ بجبہاڑہ

بجبہاڑہ میں حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کے آستانہ عالیہ کے جنوبی حصے میں بنی یہ خانقاہ غازیؒ صاحب کے خلیفہ اول شیخ فتح الدین المعروف حاجیہ بابا نے اپنے چار فرزندوں سمیت تعمیر کروائی تھی اس کے بانی مبانی حضرت حاجی بابا ہیں۔ میر اسد اللہ شاہ آبادی نے اپنی منظوم تاریخ باغ سلیمان میں لکھا ہے ؎

خانقاہے کہ کعبہ ثانی است شیخ الدین حاجی بابا بانی است

ڈوریک طرزِ تعمیر کے مطابق تعمیر شدہ یہ عمارت دو منزلہ ہے اسمیں دیوار کے لمبے لمبے شہتیر انتہائی کاری گری سے نصب کئے گئے ہیں۔[1] عمارت کی چھت پگوڈا طرز کی ہے۔ اسمیں دو دالان ہیں

---

[1] اسی خانقاہ کی تعمیر کے دوران حاجیہ بابا صاحب کی ایک کرامت صادر ہوئی۔ کہ ایک ستون لکڑی کا ان چار ستونوں سے لمبائی میں کم رہا جو ستون خانقاہ کے طبقہ اول میں ہیں۔ نجار نے اس پر رنج وغم کا اظہار کیا جبکہ اس نے ستونوں کے بنانے میں کافی محنت کی تھی۔ نجار نے اپنی بے بسی کا اظہار حاجیہ بابا کے سامنے کیا۔ حاجیہ بابا نے نجار کو حکم دیا۔ تم اس ستون کے اس طرف جاؤ۔ پس

اس کے علاوہ دو وسیع و عریض ہال ہیں جن میں بیک وقت ۲ ہزار لوگ نماز ادا کر سکتے ہیں۔ خانقاہ کے مشرقی کنارے پر میٹھے پانی کا ایک کنواں ہے جس سے سال بھر غسل خانوں کو پانی ملتا رہتا ہے خانقاہ کے اندرونی دیواروں پر خوب نقاشی ہے۔

اس تاریخی عمارت کے دروازے کے قریب مشہور سخنور و عالم دین محمد خضر مقبل اور مشہور کشمیری شاعر عبدالاحد ناظم دفن ہیں۔ جنوب کی طرف ایک کھلا میدان ہے۔ جہاں میلہ بجبہاڑہ کے موقع پر " دُمبالی کی جاتی ہے۔ یہ خانقاہ ۷۶۸ھ میں تعمیر کرائی گئی تھی۔

جامع مسجد بجبہاڑہ حضرت نصیب الدین غازیؒ کے آستانہ عالیہ کے جنوب کی طرف حضرت میر محمد قریشی کے حجرے کے قرب میں سلطان سکندر نے جامع مسجد بجبہاڑہ ۱۴۱۵ء میں تعمیر کروائی تھی۔ اس مسجد شریف کا فن تعمیر

نکالا گیا۔ ارشاد کیا ستون کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر آنکھیں بند کر کے بسم اللہ پڑھو۔ دوسری طرف حاجی بابا نے خود بسم اللہ پڑھ کر کھینچا اور ستون لمبائی میں برابر آگیا حاجی بابا اپنے مرشد ابوالفقراء کے پائے مبارک کے پاس مدفون ہیں۔ جیسے پیر سعداللہ شاہ آبادی نے اپنی تواریخ میں لکھا ہے

روح چو حاجی زدارِ فانی تافت جائے در زیر پائے مرشد یافت

(حوالہ از "ابوالفقرا" از پیرزادہ محمد مقبل)

ڈورک طرز کا ہے اس کے احاطے میں ستونوں کے بنیادی پتھر آج بھی موجود ہیں۔ مسجد شریف کی مرمت ۱۸۸۴ء اور ۱۸۸۵ء میں حاجی عبد الغفار راولو نے کرائی تھی۔ تعمیر جدید مرحوم خواجہ غلام مصطفےٰ ٹاک کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اس وقت جامع مسجد بجبہاڑہ کا طول ۳۲ گز اور عرض ۱۴ گز ہے۔ مسجد شریف کے ۴۶ گز لمبے اور ۳۲ گز چوڑے صحن پاک میں ۱۴ غسل خانے بھی ہیں۔ مسجد شریف کے دروازے سادہ اور چڑھتے سورج کی طرف محرابیں بہت دلکش ہیں۔ پرانے طرز کا پچاہ بام اور جدید طرز کی نقش و نگاری قابل دید ہے۔

(شکریہ: کاشر انسائیکلوپیڈیا۔ کشمیری سے ترجمہ، کلچرل اکادمی)

شنکر کی کلہاڑی (شنکر ژ کٹھ)

کہا جاتا ہے کہ جامع مسجد بجبہاڑہ کی تعمیر کا کام چل رہا تھا کہ شنکر پنڈت نامی ایک ہندو (جو کہ بعض روایات کے مطابق میر منشی تھا) بھی اس تعمیر میں خوب دلچسپی لے رہا تھا کام کی تکمیل کے بعد کاریگروں اور دیگر اہم کارکنوں کو تحفوں اور انعامات سے نوازا گیا اور اس فہرست میں پنڈت جی کا بھی نام تھا۔ پنڈت جی نے کوئی انعام لینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا "میری یہ کلہاڑی مسجد شریف کے ایک ستون میں میری یادگار کے طور پر رکھی جائے" آخر شنکر پنڈت کی مرضی کے مطابق کلہاڑی کو ایک ستون میں

رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد مسجد شریف کی تجدید کے وقت انتظامیہ کمیٹی نے اس کلہاڑی کو باہر نکالنا چاہا۔ شنکر پنڈت جو فوت ہو چکا تھا انتظامیہ کمیٹی کے اراکین کو خواب میں دکھائی دیا اور اپنی نشانی کو مسجد شریف سے نکالنے پر رنج و غم کا اظہار کیا۔ اس واقعہ سے ارکان کمیٹی کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑا۔ اس طرح صدیوں سے شنکر پنڈت کی یہ کلہاڑی مسجد شریف کے ستون میں موجود ہے اور یہ کشمیر کے روایتی بھائی چارہ کی درخشندہ مثال ہے اور اس واقعے پر کشمیری زبان کی مقبول عام تلمیح "شنکر نی ہکر" وجود میں آئی ہے۔

کاہ کاہ پل

دو اڑھائی من وزنی ایک پتھر رشی پند رہ مندر کے صحن میں ہے جس کو آسانی سے ایک آدمی نہیں اٹھا سکتا ہے البتہ گیارہ آدمی یا بچے ایک ایک انگلی پتھر کے ساتھ لگائیں اور "کاہ کاہ" (گیاراں، گیاراں) کی آواز بلند کریں تو پتھر اوپر اٹھ جاتا ہے۔ اسی پتھر کو "کاہ کاہ پل" کہتے ہیں۔

قدیم زمانے کی بات ہے کہ وجیشور مندر میں گیارہ گھڑیال لگے تھے ہر گھنٹا لعل و جواہر سے جڑی ہوئی تھی۔ ایک ایک گھنٹا کو بجانے کیلئے صاف و پاک رکھنے کے لئے اور حفاظت کے لئے الگ الگ برہمن مقرر کئے گئے تھے سب سے بڑی گھنٹ کا انچارج پنڈت نیلہ کنٹھ تھا۔ جو گھنٹا لکاپورم (موجودہ گاٹھل پورہ)

میں سکونت کرتا تھا۔ نیلہ پنڈت سمیت تمام گیارہ براہمن شاہی گرو مانے جاتے تھے ان کی خوب عزت کی جاتی تھی۔ ایک دن کی بات ہے۔ نیلہ پنڈت اپنے فرائض انجام دینے کے لئے وجئیشور مندر کی طرف آرہا تھا۔ پو پھٹنے کا وقت تھا اس نے دیکھا کہ دیوکی بارہ بل (جو بہت مقدس گھاٹ مانا جاتا ہے اور آج بھی اسی نام سے مشہور ہے) کے پاس ایک حور، پیکر، مستانی مادر زاد ننگی نہا رہی ہے ایک ہی بار دیکھنے سے نیلہ پنڈت حواس باختہ ہو گیا۔ عورت کے پیچھے پیچھے چل نکلا۔ جب اس کا نشانہ دیکھ لیا۔ اپنے ایک ہمراز کو اس پری وش کے پاس بھیج دیا نیلہ پنڈت کا مقصد سن کر چالاک مگر پاکدامن عورت نے ایک ترکیب سوچی۔ پنڈت کے ہمراز کو بتا دیا کہ فلاں رات پنڈت کو میرے گھر بھیج دے میں اس کی منتظر رہوں گی۔ وقت مقررہ پر پنڈت پری وش کے یہاں پہنچ گیا۔ چونکہ عورت بہت چالاک تھی اور پنڈت کو زبردست سزا دینا چاہتی تھی اس نے وصل کے لئے ایک شرط لگا دی کہ وجئیشور مندر کی سب سے بڑی گھنٹا تحفتاً مجھے ملنی چاہیے۔ پنڈت جی نے گھنٹا چرا کر عورت کے حوالے کر دی دوسرے دن گھنٹا کی تلاش شروع ہو گئی۔ تمام شہر میں ڈھنڈورا پیٹا گیا۔ ایک حسین عورت گھنٹا لے کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو گئی اور ساری داستان سنا دی۔ نیلہ پنڈت چونکہ شاہی گرو تھا

بادشاہ نے کہا کہ میں اس بدنصیب براہمن کو سزا نہیں دے سکتا۔ اس زمانے میں "کنڈل ون" (موجودہ کنڈی پورہ) کرپوہ پر ایک رشی شوپت پنڈت نام کا رہتا تھا۔ نیلہ پنڈت کو اسی کے پاس بھیج دیا گیا۔ رشی نے ساری کہانی سنی تو برہم ہو کر پانی کے کچھ قطرے نیلہ پنڈت کے منہ پر دے مارے۔ اس تھپڑ سے نیلہ پنڈت پاگل ہو گیا اور دوسرا چھینٹا اسی گھنٹہ پر دے مارا جس سے وہ پتھر میں تبدیل ہو گیا۔ رشی نے کہا اس پتھر کو مندر کے صحن میں رکھو۔ تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ برائی کا انجام کیا ہوتا ہے اور "ایکا دشنہ ددر" اور گیارہ گھڑیال کے نام پر "کاہ کاہ" کی آواز بلند کرنے سے یہ پتھر متحرک ہوگا اس طلسماتی پتھر کو دیکھنے کے لئے ہزاروں سیاح یہاں آتے ہیں اور "کاہ کاہ" کی آواز نکالنے پر جب پتھر اوپر اٹھتا ہے تو حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔

تھجی وارہ گپھا یہ گپھا قدیم زمانہ سے ایک مقدس تیرتھ تصور ہوتی ہے۔ راج ترنگنی میں امرلیش نام سے مشہور ہے۔ رانی سوریہ متی نے یہاں اپنے بھائی سلن کے نام پر ایک مٹھ تعمیر کیا تھا۔ مگر آج اس کے آثار نہ

۱؎ شیتل صاحب کے مطابق یہ جگہ تھجی وارہ نہیں بلکہ "امبر ہیر" اور

دکھائی نہیں دیتے ۔ یہ گپھا بجبہاڑہ سے پہلگام جانے والی سڑک کے بائیں طرف موضع تھجی وارہ میں ہے ۔ امرناتھ یاترا کے مقدس موقعے پر یہاں ہزاروں لوگ جمع ہوکر اشنان کرتے ہیں ۔ سڑک سے پہاڑی پر جانے کے لئے پتھروں کی سیڑھی بنی ہے ۔ اشنان گھر اور ایک خوبصورت تالاب کے علاوہ یاتری نواس بھی بنے ہیں ۔ یہاں امرناتھ کی طرح امرگنگا ، گرب یاترا ، امر بھوت اور شیو جٹا سے پانی ٹپکتا رہتا ہے ۔ یہ بہت ہی پرسکون جگہ ہے ۔ گپھا کے صحن میں بیٹھکر آدمی اپنے کو کسی پتوون میں بیٹھا محسوس کرتا ہے ۔ وتستا مہاتم کے مطابق یہ سارا علاقہ " سدھ کھیتر " میں شامل ہے کہتے ہیں اس گپھا میں پاروتی جی نے بارہ سال تک تپسیا کی ہے ان کا وردھان ہے کہ یہاں انسان کی منوکامنا سدھ ہوتی ہے راج ترنگنی کے مطابق تھجی وارہ میں ایک گھنا جنگل تھا جو وقت کی گردش سے ختم ہوا ہے ۔ وجیشور مہاتم کے مطابق یہاں ایک خوبصورت کنول سر(تالاب) تھا یہاں رشی اور منی یاد الہٰی میں محو رہا کرتے تھے ۔ کشمیر کے چار شیو فلسفہ کے مرکزوں میں

دوسرے تاریخ دانوں کے مطابق یہ ہاسپور ہے مگر یہ بیان واقعات سے میل نہیں کھاتا ۔ کیونکہ یہ ہاسپورہ یا امبرہیر کا کسی امریش یاترا کا تذکرہ قدیم کتب میں کہیں نہیں ملتا ۔

تھجی وارہ بھی ایک اہم مرکز تھا۔ کیونکہ اس کے ساتھ وجیشور کا عظیم تیرتھ اور یونیورسٹی بھی تھی۔

اس تیرتھ کی اہمیت اور تاریخی پس منظر کے تحت حال ہی میں پنڈت مادھا کرشن تکو کی سربراہی میں ایک تعمیری و انتظامیہ کمیٹی تشکیل دی گئی ہے کمیٹی نے اس تاریخی تیرتھ کے احیائے نو میں قابل تعریف کام انجام دیا ہے۔

آثارِ لل دید جامع مسجد بجبہاڑہ کے شمال مغربی کنارے پہ لل عارفہ کے آثار دفن ہیں۔ کہتے ہیں یہی وہ جگہ ہے جہاں لل دید مٹی کا ایک برتن اپنے پاؤں کے نیچے اور ایک برتن اپنے سر پہ رکھ کر "لا" کہہ کر غائب ہوئی تھی برتنوں میں کچھ نہ پاکر ان کو مٹی میں دفن کیا گیا۔

لل دید کا جو تراج کی تاریخ میں ذکر نہ آنا قابل توجہ معاملہ ہے مگر نقادوں کا کہنا ہے کہ لل دید کی تعلیم اس وقت کے برہمن ازم کے خلاف تھی۔ چونکہ تاریخ نویس جن کی رسائی شاہی دربار تک تھی براہمن ہی تھے۔ اس لئے انہوں نے لل دید کا ذکر نہیں کیا

لے کاشر انسائیکلوپیڈیا۔ مرتبہ کلچرل اکاڈمی جموں و کشمیر ۲ لہذا اندازہ ہے کہ یہ جگہ تھجی وارہ ہی ہونی چاہئے۔ اسکی نشاندہی وجیشور مہاتم میں بھی ہوتی ہے کہا گیا ہے کہ یہاں الیشان نام کا ایک مقدس ترین شو فلاسفی کا مرکز اور شولنگ ہے۔

جو کسی شاہی دربار سے تعلق نہ رکھتی تھی، اور نہ کسی ڈامر سردار کے گھر پیدا ہوئی۔ کیونکر تاریخ کے صفحوں میں جگہ پاتی۔ مگر مسلمان مورخ اس بات سے متفق ہیں کہ لل دید کی آخری قیام گاہ بجبہاڑہ ہی ہے بابا کمال کے نور نامے، خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کی "واقعات کشمیر" سے لیکر تاریخ حسن تک ساری کتب تواریخ اس بات کی شہادت پیش کرتی ہیں کہ لل دید کے آثار صرف بجبہاڑہ میں ہی موجود ہیں۔ آج تک کسی نے ان تاریخی حقایق کی تردید نہیں کی ہے۔

"چوں آں یگانہ خواست کہ در شبستان محبوب رود، تغارہ آوردہ یکے زیر پاے گذاشت، دوم بالاے سر، گفتندش۔ چہ میکنی؟ گفت "خود را از چشم نامحرماں پوشیدہ دارم۔ ایں گفت دوست بدست زد۔ تغارہ بر تغارہ نشت۔ مردماں حیران شدند۔ تغارہ از تغارہ برداشتند۔ دراں ہیچ نہ دیدند۔ ایں قصہ در بجبہاڑہ پرگنہ اسلام آباد متصل مقبرہ سید محمد قریشی واقع شد۔ مردماں آں جا زیارت می کنند۔ (تاریخ حسن)

کشمیر کے مشہور شاعر و نقاد عبدالاحد آزاد لکھتے ہیں

"انگریز مصنف اس کی وفات کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ جب اس کی روح اس کے قفس عنصری سے نکلی تو وہ ایک شعلہ کی طرح بھڑکی

اور ہوا کی طرح جسم سے نکل کر غائب ہو گئی۔ یہ واقعہ بجبہاڑہ میں پیش آیا تھا۔ لیکن اس کا جسم کہاں گیا؟ اس کے متعلق انگریز مفسر بھی خاموش ہے" ——— (کشمیری زبان اور شاعری از عبدالاحد آزاد)

شری موتی لال ساقی "شیرازہ" کے لل دید نمبر میں یوں رقمطراز ہیں: (جلد ۱۶ نمبر ۶)

"لل دید کے سورگباش ہونے کے متعلق ہمارے پاس دو روایات ہیں: کئی لوگوں کی رائے ہے کہ زندگی کے آخری وقت لل دید "تیلہ اٹھم" کے روز للہ تراگ پانپور پہنچی اور اسی چشمے میں اتر گئی اور اس کے بعد واپس نہیں نکلی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ بجبہاڑہ میں سورگباش ہوئی جب اس کو آخری سفر کے لئے تیار کیا گیا تو ہندو اور مسلمانوں میں ٹھن گئی۔ مسلمان اس کو دفنانا چاہتے تھے جبکہ ہندو شمشان کی اگنی جلانا چاہتے تھے۔ مسئلہ خطرناک صورت اختیار کر گیا۔ اس دوران کسی عاقل نے لوگوں سے کہا اچھا آؤ اس مسئلے کا حل ماں سے ہی پوچھتے ہیں جب تابوت سے چادر ہٹائی گئی تو وہاں لاش کے بدلے چند پھول ملے۔ انہی پھولوں کو بعد میں ہندوؤں نے آگ دکھائی اور مسلمانوں نے ان پھولوں کو دفن کیا اور یہ آثار بجبہاڑہ کی جامع مسجد کے ایک طرف جہاں لل دید کی قبر ہے آج بھی محفوظ ہے۔

مختلف رشیوں کے نور ناموں، رشی ناموں کے مطالعے سے یہ بات

ثبوت کو پہنچتی ہے کہ لل دید نے زندگی کے آخری ایام بجبہاڑہ میں ہی گذارے ہیں۔ اور یہیں پر دفن ہوئی ہے۔ بابا کمال کے نور نامے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ لل دید اپنے پیر کامل سیدہ مول کے ساتھ بجبہاڑہ میں ہی سکونت کرتی تھی اور ایک دن وہ یہیں سے حضرت شیخ نورالدین ولیؒ سے ملنے موضع کیموہ تشریف لے گئی۔

" ذکر تارک خویش وبیگانہ حضرت للہ دیوانہ آور دن
سدہ سروکت راہب بجبہاڑہ بخدمت پرعظمت حضرت شیخ العالمؒ
(صفحہ ۲۰۴ ۔ نور نامہ)

یہ ایک لمبی نظم ہے جس میں لل دید کی روحانی عظمت اور حضرت شیخ العالمؒ سے ان کی ملاقات کا ذکر موجود ہے۔ ان سارے حقایق کو سامنے رکھ کر بات عیاں ہوتی ہے کہ لل دید کی آخری قیام گاہ بجبہاڑہ ہی ہے اور آجتک کسی نقاد یا محقق نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔

درگاہ عالیہ کھرم علاقہ دچھن پورہ کے لوگ خاص طور پر اور جنوبی کشمیر کے لوگ عام طور پر درگاہ عالیہ موضع کھرم میں اسلامی تقویم کے متقدس دنوں مثلاً معراج

(لہ از صفحہ ۱۰۰) شیوراتری کے آٹھ دن بعد "تیلہ اٹھم" کا تہوار آتا ہے اس دن گھروں میں دیپ روشن کئے جاتے ہیں اور دریا میں جلتے دیئے بہائے جاتے ہیں۔ اور وتستا کی پوجا ہوتی ہے۔

آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم، مولود رسول رحمت حضرت محمدؐ۔ خلفائے راشدین وغیرہ کے ایام مولود وانتقال میں جمع ہوکر زیارتِ موئے مقدس احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ نبی رحمتؐ سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔ تحائف الابرار فی ذکر الاولیا الاخیار، تاریخ کبیر مصنفہ حاجی محی الدین مسکین مرقومہ ۱۳۲۱ھ کے صفحہ ۳۱۶ پر درج۔ " در موضع کھرم سرہامہ پرگنہ دچھن پارہ موئے مبارک حضرت سید المرسلینؐ امت وساکنانِ گردونواحی قریہ مذکورہ بروزِ مولود شریف وبروزِ معراج شریف فراہم آمدہ۔ جمع شدہ بزیارت آں مستفید وفیضیاب می شوند۔"

موئے مبارک سید المرسلینؐ کے علاوہ درگاہ مذکورہ میں چند دانہ ہائے تسبیح شریف رسول مقبولؐ، جامہ مبارک زمانہ خورد سالی امام حسنؓ، جاروب بابرکات سیدالنساء فاطمۃ الطہراؓ اور عکس پایہ مبارک راست حضرت امام حسینؓ موجود ہیں۔ ان تبرکات متبرکہ کی موضع مذکورہ میں لائے جانے کے متعلق کچھ روایات موجود ہیں۔ البتہ تواریخی تذکروں میں اُن کا تذکرہ میری نظروں سے نہیں گذرا ہے۔ تاریخ کبیر میں مندرج حوالہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ ایک عام روایت جس کے راوی رحمان لون عمر ستر سال، حاجی عبدالسلام مجاور درگاہ عمر ۵۵ سال، حاجی غلام محمد بٹ نائب چپراسی تحصیل اوقاف کمیٹی بجبہاڑہ عمر ۶۵ سال، اسد بٹ نمبردار عمر ۹۰ سال

وغیرہ معززین کھرم ہیں۔ ان حضرات نے فرمایا کہ ہم نے اپنے اسلاف سے سنا ہے کہ زمانہ قدیم میں موضع کھرم کا ایک خدادوست شخص ہاشم لون ولد غفور لون حج کے لئے روانہ ہو گیا۔ ہاشم لون نے بارہ سال تک وہیں قیام فرمایا اور خانہ کعبہ میں جاروب کشی کا کام کرتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ ہاشم لون نے مدینہ شریف میں شادی بھی کی۔ اور عربی زبان بھی سیکھی۔ باراں سال کے بعد وطن آنے کی خواہش نے غلبہ کیا اور اہلیہ سمیت کشمیر لوٹ آیا۔ اس کی اہلیہ جو اس کے ساتھ تھی کو اپنے والد بزرگوار نے وہ تمام تبرکات مقدسہ (جن کا اوپر ذکر ہوا ہے) تحفتاً" ساتھ دیئے۔ بڑی مدت اور مشکلات کے بعد میاں بیوی شوپیاں میں موضع پنزرذ پہنچے۔ روایت ہے کہ ہاشم لون نے کچھ تبرکات وہیں رکھ دیئے۔ اور آج کل پنزرو میں بھی ایک درگاہ عالیہ و تبرکات محفوظ ہیں۔ جو تبرکات بابرکات کھرم پہنچائے ان کے لئے ایک چھوٹے سے حجرے کو تعمیر کیا گیا مدت مدید کے بعد حجرے کی جگہ ایک درگاہ شریف تعمیر کی گئی تبرکات مقدسہ جو درگاہ شریف کھرم میں مرجع فیض عام ہیں ان تبرکات کے علاوہ ہیں جو موضع پنزرو میں منبع فیض عام ہیں۔ یہ روایت بہت عام ہے۔ البتہ حاجی عبدالسلام شاہ نے کہا کہ اس شخص کا نام ہاشم لون نہیں بلکہ محمد حسین تھا مگر دوسرے اہلیان موضع سے اس کی تائید نہ ہو سکی۔

آخر ۱۱ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ کو درگاہ شریف کی تعمیر جدید شروع کی گئی۔ جو کئی سالوں تک جاری رہی۔ درگاہ مقدس کی تعمیر میں جہلم علاقہ و چھپن پارہ کے عامتہ المسلمین نے دل کھول کر چندہ دیا۔ وہاں موضع کھرم لو شہرہ اور علاقہ کرالہ پتھری کے تمام مسلمانوں نے بھی مختلف قسم کی امداد بہم پہنچائی۔ تعمیر جدید کے کام میں ذیلدار سلر غلام محمد میر صاحب نے کافی حصہ لیا۔ میر سلر درگاہ شریف کے صف اول کے بہی خواہ تصور ہوتے ہیں۔ ذیلدار صاحب کے علاوہ خالق لون نمبر دار، عبدالغنی بٹ ساکن کھرم اور حاجی غلام محمد بٹ کھرم کے علاوہ متعدد معززین نے جی بھر کر حصہ لیا۔ اس وقت یہ درگاہ عالیہ مسلمانوں کے لئے اہم ترین مرکزی حثیت رکھتی ہے۔ زیارت تبرکات با برکات کے مواقع پر لاتعداد مسلمان جمع ہو کر یہاں سے فیض و برکت سمیٹ کر چلے جاتے ہیں۔ درگاہ عالیہ کے صحن میں ایک چشمہ فیض بھی ہے جس کے پانی سے نہلانے پر کھجلی اور خارش وغیرہ کے مریض صحت یاب ہوتے ہیں درگاہ عالیہ کی یہ فیض پناہ عمارت ہر طرح سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ امن وسکون اور سکوت و اطمینان کا ایک پر کیف ماحول ہر وقت چھایا رہتا ہے۔ خشک سالی کے زمانے میں علاقے کے لوگ درگاہ عالیہ کے صحن پاک میں جمع ہو کر نوافل گذارتے ہیں اور متواتر باراں باری یا آفات سماوی سے چھٹکارا پانے کے لئے

بھی علاقے کے لوگ اس درگاہ پر عرضی لے کر جاتے ہیں وہاں ضرور مرادیں پوری ہو جاتی ہیں۔ اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

(تعمیر جدید کے سلسلے میں اسد بٹ ٹیلی، حاجی محمد رمضان بٹ اور امیر بٹ نے بھی بھرپور ساتھ دیا)

فیروز شاہ صاحب کہا جاتا ہے کہ فیروز شاہ صاحب غازی صاحبؒ کے مریدین میں سے تھے۔ یادِ الٰہی میں ہمیشہ سرمست رہتے تھے۔ حد درجہ کے خدا ترس اور پرہیز گار تھے ان کے حالات و کمالات بہت زیادہ ہیں۔ ان کا آستان پاک فیروز شاہ محلہ بچھیاڑہ میں ہے۔ ڈورک طرز تعمیر اور چار بام چھت کا یہ آستان پاک فن تعمیر کا اچھا نمونہ ہے۔ دیواروں اور لکڑی کے ستونوں پر عمدہ نقش و نگار بنے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فیروز شاہ صاحب حضرت غازی کے دروازے پر دربانی کے فرائض انجام دیتے تھے۔

آستانِ پاک حضرت اللہ دادِ ریشی آپ مرہامہ کے ایک کمہار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی ریشی مسلک سے وابستہ ہو گئے۔ ریشیوں کے طور و اطوار پر سختی سے چلتے رہے۔ عمر بھر بچھیاڑہ میں سکونت رہی۔ ان کا مرقد پرانے ہسپتال کے قریب ہے کشمیری حساب سے ہر سال ان کا عرس ۲۳ پوہ کو منایا جاتا ہے

پانچ دن تک مرہامہ اور بجبہاڑہ کے عقیدت مند ان کا عرس شریف منانے کے لئے گوشت لہسن اور انڈے نہیں کھاتے۔

اللہ داد ریشی باکمال بزرگ اور خدا شناس قلندر تھے ان کے پیر کامل حضرت مسعود پانپوری تھے اور ان کے طالب عارف باللہ بتہ مالو تھے جن کا آستان بس سٹینڈ بٹہ مالو سرینگر کے قریب ہی مرجع خاص و عام ہے۔

(روایت غلام شاہ بابا)

حضرت مسعود پانپوری (روایت مولوی مقبول صاحب بجبہاڑہ)

اللہ داد ریشی کے مرقد کے پاس ہی ایک خدا دوست بزرگ سید عبداللہ کا مرقد ہے کہتے ہیں کہ سید عبداللہ صاحب جناب امیر کے معتمد خاص تھے۔ (روایت مولوی محمد مقبول صاحب)

ٹنگ شاہ المعروف ملک شاہ

یہ ایک یہودی مبلغ تھے جو کشمیر میں عروج اسلام سے پہلے وارد ہو گئے تھے۔ ان کا مقبرہ سمتھن کی پہاڑی پر بنا ہے۔ ٹنگ شاہ کے بارے میں ایرانی کتابوں میں حوالہ جات ملتے ہیں۔ یہ بزرگ کیسے کشمیر آئے؟ اور بجبہاڑہ کو ہی کیوں اپنی سکونت کے لئے چنا؟ اس کے بارے میں تفصیلات صرف قیاس آرائیوں تک محدود ہیں

....

ہرلیشچندر مندر :- بجبہاڑہ کے قدیم تاریخی استھاپنوں میں صرف جیا دیوی کا مندر محفوظ ہے جس کی حال ہی میں مرمت ہوئی ہے۔ جیا دیوی استھاپن کا ذکر دھارمک کتب اور مہاتموں میں ملتا ہے۔ جیا دیوی کا ظہور کیسے ہوا؟ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

ہرلیشچندر مندر راجہ رنبیر سنگھ نے وجبیشور کی قدیم دھارمک اہمیت کو مد نظر رکھ کر تعمیر کیا ہے۔ اس نے وجبیشور مہاتم کا ترجمہ ڈوگری زبان میں کروایا تھا (مگر مجھے اس کی کاپی حاصل نہ ہوسکی۔ شاید یہ قلمی نسخے کی ہی صورت میں اب تک ڈاکٹر کرن سنگھ کی لائبریری میں محفوظ ہو)۔

مہاراجا نے وجبیشور پران میں درج "اردناری شوور" کی مورتی کو ستھاپن کر کے وجبیشور مندر کی تاریخی اہمیت زندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اندازہ ہے کہ یہ مورتی راجا نے برنگ پرگنہ کے "لوزو" گاؤں سے حاصل کی ہے۔ کیونکہ پرانی مقدس جگہوں میں "اردناری شوور" تیرتھ کا بھی "لوزو" گاؤں کے ساتھ ذکر آیا ہے مگر اس گاؤں میں آج کل یہ مورتی نہیں ہے اس لئے اندازہ ہے کہ راجا نے اس گاؤں سے یہ مورتی حاصل کی ہے۔ وجبیشور مہاتم میں اردناری شوور مورتی کا صدیوں کی سیاسی اتھل پتھل میں صحیح و ثابت رہنا ممکن نہیں دکھائی دیتا۔

مندر کے سامنے دو خوبصورت گھاٹ ہیں۔ جنوبی سرے پر بنے گھاٹ کے پاس بغیر چھت کے ایک مندر ہے اور اس کی دیواروں میں چند نادر مورتیاں ہیں جو فن سنگتراشی کے اچھے نمونے تصور ہوتے ہیں۔ مندر کے بیرونی حصے میں پرنالی کے آگے نندی کی خوبصورت مورتی لگی ہے جس کے دہانے سے پوجا کا پانی باہر جاتا ہے۔

ہریشچندر مندر چکور پتھروں کا بنا ہے اور اس کے اندر ایک "ایکادشہ رودر" یعنی پتھر کے گیارہ لنگ بدر پیٹھ کے اردگرد اور چھوٹی لنگ ان کے اوپر لگا ہے۔ مشہور تاریخی مندر الیشور کی اشٹر کی ایک مورتی گرز اب بھی جنوبی گھاٹ کے پاس نصب ہے۔ مندر کا صحن کافی کشادہ ہے اس میں چنار کا درخت ہے اور مشہور "کاہ کاہ پل" رکھا ہوا ہے۔

دراصل ہریشچندر مندر سات مندروں کا ایک کمپلیکس ہے۔ اس کے علاوہ ایک یاتری نواس اور "چھڑی مبارک" رکھنے کا آسن بھی بنا ہوا ہے۔ حال ہی میں مندر کی تجدید نو ہوئی جس سے اس تاریخی مندر کی خوبصورتی میں اضافہ ہوا ہے اس کے علاوہ قصبہ کے عین بیچ میں شو ناتھ وجیشور کا مندر ہے جس کو "لوکٹ مندر" کہتے ہیں اور حال کی کھدائی سے جو پتھر حضرت بابا نصیب الدین غازی کے آستانِ عالیہ کے صحن میں پڑے

گئے۔ تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ وہ اشوک ایشور مندر یا وجیشور مندر کے پرانے آثار ہیں۔ اس کے علاوہ "بٹہ محلہ" میں جو شوالہ مندر ہے اس کے متعلق روایت ہے کہ یہاں لل دید کے گرو "سدھ مول" رہا کرتے تھے۔ اسی لئے اس مندر کو "سیدھ پیٹھ مندر" کہتے ہیں۔ اندازہ ہے کہ سیدھ مول کی وفات کے بعد اُس آشرم کو مندر میں تبدیل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سمتھن کے قریب مغربی پہاڑی پر وجیا دیوی کا استھاپن ہے۔

باغ داراشکوہ

باغ داراشکوہ سرینگر سے ۸ کلومیٹر دور سیبہاڑہ میں واقع ہے۔ یہ باغ مغل شہزادے داراشکوہ نے (۱۶۳۲-۵۸) تعمیر کروایا آج بھی زمانہ قدیم کا چنار اور کھنڈرات اس عظیم معمار کی یاد دلاتے ہیں جس نے میدانی علاقے میں اس خوبصورت باغ کی بنیاد ڈالی ہے۔ پرانے زمانے میں دریا کے دونوں کناروں پر بنے ان خوبصورت باغوں کو ملانے کے لئے ایک پُل بنا ہوا تھا جس کے کھنڈرات آج بھی عہدِ پارینہ کی یاد دلاتے ہیں۔ اس باغ میں دو تالاب بنے ہیں جو چار نہروں کے ذریعے ایک دوسرے سے ملے ہیں۔ داراشکوہ نے آگرہ کے طرز پر اس باغ کو تعمیر کیا،

جیسا کہ شاہ جہاں نے تاج محل کی تعمیر کے بعد اس کے ساتھ بہنے والے دریا جمنا کے دونوں کناروں پر خوبصورت باغ بنانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ مگر بعد میں خانہ جنگی کی وجہ سے یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ باغ دارا شکوہ کا دوسرا نام وزیر باغ بھی ہے۔ باغ کے مغربی کونے پر اینٹوں کا بنا محل مسجد شریف (جہاں آج کل ریسٹ ہاؤس ہے) اور بڑے تالاب کی بالا دری کے آثار تعمیر جدید تک موجود تھے۔ یہاں چناروں کی بہتات ہے شاید کشمیر کے کسی باغ میں چناروں کی اتنی تعداد نہیں تھی۔ باغ میں تقریباً ۲۲۵ کے قریب چنار سے لگے ہیں۔ دیودار اور چنار کے درختوں کے علاوہ رنگ برنگ پھولوں کی مہک ماحول میں تروتازگی پیدا کرتی ہے۔ یہاں پرانے پل کے پاس ایک چکور پتھر تھا جس پر فارسی میں یہ عبارت درج ہے:

"خدائے برتر کے فضل وکرم سے یہ عمارت شاہ جہاں بادشاہ غازی کے دور میں دارا شکوہ کے ذریعہ سمرقند کے وارث محمد زاہد الحسن کی نگرانی میں ۲۳ رمضان (۱۰۶۰ھ) مطابق ۱۶۵۰ء مکمل کر لی۔ (بہرحال آج زیرہ پارہ مسجد میں محفوظ ہے اور بہت سے لوگوں کی رائے ہے کہ یہی زیرہ پارہ مسجد دراصل مسجد دارا شکوہ ہے)

(بشکریہ کاشر انسائیکلوپیڈیا مرتبہ کلچرل اکاڈمی)

مصحف حسنی جامع مسجد بجبہاڑہ میں حضرت امام حسنؑ کے دست مبارک کا کتابت

کردہ ایک قرآن مقدس موجود ہے جس کی زیارت سے

عوام و خواص فیضیاب ہوتے رہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس

مصحف شریف کے ساتھ امام حسنؑ کی تحریر کردہ سند بھی ہے

قاضی پتھر (قاضی گٹ) خاکی مسجد کے مشرق میں دریا کی سیڑھیوں کے نزدیک ایک بہت بڑا پتھر ہے

جس کو (قاضی گٹ) قاضی کا پتھر کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے حضرت

بابا داؤد خاکیؒ جو کہ حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کے مرشد

تھے۔ کبھی کبھی بجبہاڑہ تشریف لاکر اسی پتھر پر تشریف رکھتے

اور لوگوں کے مسائل سنکر فتوے دیتے۔ بابا داؤد خاکیؒ

کی مندرجہ ذیل تبرکات آج تک محمد شاہ خاکی صاحب کے گھر

میں موجود ہیں۔ حضرت خاکیؒ کے یوم ولادت باسعادت کے

موقعے پر خاکی مسجد میں ان تبرکات کی زیارت کرائی جاتی ہے

(۱) عصائے شریف (۲) کوزہ مقدس (۳) کھڑاؤں اور کمربند

حمام شغل زمان یہ حمام قصبہ کے مشہور عارف باللہ معشوق فنافی اللہ غفار صاحب راولو

کے ہاتھوں کا بنا ہوا ہے جو بجبہاڑہ کے کریوہ کے دامن پر ایک پُر سکون باغ میں تعمیر ہوا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ یہاں حمام[1] کر کے صحت یاب ہوتے ہیں۔ اس حمام کی سنگ بنیاد ۱۸۵۸ء میں ڈالی گئی تھی اور آج تک صحیح حالت میں ہے۔

یادگاہِ قلندر

غارِ اکہ صاب فقیر کامل اکہ صاحب شورہ گرو کے جد بزرگوار قاسم صاحب نے جیا دیوی پہاڑی کے وسط میں ایک غار کھدوائی تھی۔ اس غار کے سات کمرے ہیں اور باہر کی طرف غار کے دہانے پر ایک کمرہ بنا ہے۔ جہاں عقیدت مند رات کو ٹھہرتے ہیں۔ غار کے صحن میں ایک کنواں ہے جو انتہائی گہرا ہے اس کے ساتھ ایک غسل خانہ بھی ہے۔ انتہائی پُر سکون جگہ ہے اس غار کے چاروں طرف کانٹوں کے درخت ہیں حال ہی میں پہاڑی کے اوپر بنے ریزرو وائر نے اس غار کو جزوی نقصان پہنچایا۔ کشمیر

---

[1] حمام کرنا دراصل کشمیری محاورہ ہے جو لوگ کمر، پاؤں، ٹانگوں اور بازوؤں میں درد محسوس کرتے ہیں وہ گرم کپڑے پہن کر اس حمام میں سارے جسم کو گرمی دیتے ہیں اس کے بعد چند ایام تک گرم تاثیر والی غذائیں کھاتے ہیں اور اکثر و بیشتر صحت یاب ہوتے ہیں۔

کے مشہور صوفی شاعر عبدالاحد آزاد اکثر اس صحن میں بیٹھکر لطف اندوز ہوتے تھے۔

قدیم سنگِ مزار جامع مسجد کے نزدیک قبرستان میں نہایت قدیم زمانے کا ایک سنگ مزار جس میں متوفی کا نام اور سن وفات شاردا زبان میں کندہ کیا ہوا ہے یہ سنگ مزار بجبہاڑہ میں مسلمانوں کی آمد کا قدیم ترین حوالہ آج تک امتداد زمانہ اور حوادث سے محفوظ رہا ہے۔ اس کے علاوہ نیو کالونی میں کھدائی کرنے پر سلطان شہمیر کے دورِ حکومت اور ہرش کے زمانے کے سکے کافی تعداد میں ملے ہیں۔ جیسا کہ شکل ۱۲ سے ظاہر ہے (مملوکہ غلام رسول زیرک، ٹیچر)

گپھا حاجی رتن بابا یہ غار کریوہ بجبہاڑہ کے دامن میں "سورنے مسجد" کے اندر واقع ہے اس کی لمبائی کا آج تک کسی کو علم نہیں ہو سکا۔ لوک روایت ہے کہ حاجی رتن نام کا خدا دوست شخص اس غار میں عبادت کرتا تھا اور پیدل چل کر حج بیت اللہ شریف کا فریضہ انجام دیا ہے۔ بجبہاڑہ کے صاحب کمال بزرگوں میں شمار ہوتے تھے اور اسی غار کے باہر ایک بہت بڑا پتھر ہے جسکی شکل اوکھلی سے ملتی ہے۔ لوگ اس کو "پانڈو کننز" کہتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ اوکھلی کب، کیوں اور کیسے یہاں پہنچائی گئی تھی۔

سیدھ پیٹھ اور سیدھ یار بل لوک روایت ہے کہ لل دید کے گرو سیدہ مول بجبہاڑہ میں ہی رہتے تھے۔ ان کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے عارفہ بجبہاڑہ تشریف لائیں اور زندگی کے آخری سانس تک بجبہاڑہ میں ہی سکونت پذیر رہی چنانچہ آج بھی ان کے گرو کے نام پر سیدھ پیٹھ مشہور ہے اور اس کے ساتھ ہی وتستا پر بنے گھاٹ کو سیدھ یار بل کہتے ہیں۔

قرب و جوار کی زیارت گاہیں و قابل دید مقامات

نیل مت پوران کے مطابق وجیشور کھیتر موضع ہرناگ اننت ناگ سے لے کر گھمبیر سنگم اور وشیحکا موضع وچی سے لے کر کلر تک پھیلا ہوا تھا۔ اس وسیع علاقے میں مقدس مقامات، تاریخی یادگار ہیں اور قابل دید جگہوں کی کمی نہیں ہے۔

قابل دید جگہوں میں "آبشار پنج پورہ" بجبہاڑہ سے ۸ کلومیٹر دور شمال و مشرق میں بنا ہے اور علاقہ ترال و بجبہاڑہ کے مدارس کے متعلمین سیر و تفریح کے لئے یہاں آتے رہتے ہیں۔ قدرتی نظاروں اور انسانی ہاتھوں کی یہ دلفریب جگہ لوگوں کو دعوت نظارہ دیتی ہے۔

ریسٹ ہاؤس کاٹھسو دریائے لدر کے کنارے اور جنگل کے دامن میں بنے قدرتی نظاروں

سے بھرپور یہ صحت افزا مقام ہمیشہ سیر کرنے والوں کو سکون میسر کرتا ہے بجبہاڑہ سے ۷ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔

نالہ آوورا: علاقہ دچھن پورہ کا صحت افزا مقام جو بجبہاڑہ پہلگام سڑک پر موضع "ڈہوتو" سے ایک کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ دیودار کے گھنے جنگلوں کے بیچ یہ صحت افزا مقام سطح سمندر سے ۷ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں محکمہ جنگلات کا ایک ریسٹ ہاوس بھی ہے اور اکثر سیلانی اس دلکش وادی کو دیکھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔

نمبل دریائے لیدر کے کنارے پر واقع اور بجبہاڑہ سے تقریباً ۸ کلومیٹر کی دوری پر نمبل کا گاؤں آتا ہے اپنے دلکش قدرتی مناظر سے بھرپور یہ علاقہ ٹروٹ مچھلی کے شکار کے لئے مشہور ہے۔ یہاں سرکاری ریسٹ ہاوس ہے جہاں سیر کرنے والوں کو ہر قسم کی سہولیات بہم کی جاتی ہیں۔

رکھ کتری ٹینگ بجبہاڑہ سے ۲ کلومیٹر شمال میں کتری ٹینگ کا دلکش باغ، محکمہ جنگلات کی نرسری اور محکمہ ابریشم کا ایک ڈیمانسٹریشن پلاٹ ہے نرسری کے ساتھ ہی عارف باللہ حبیب ؒدید کا مرقد پرنور ہے۔ دریائے جہلم اور لیدر کے سنگم پر بنے اس باغ کی خوبصورتی دیکھنے کی چیز ہے۔ اس پرفضا جگہ پر اکثر سکولوں کے بچے اکسکرشن کے

لئے آتے ہیں۔ نرسری کے بیچ ایک فارسٹ ہٹ بھی بنی ہے۔

تکیہ مقصود شاہ بیجبہاڑہ سے ۶ کلومیٹر شمال و مشرق میں تکیہ مقصود شاہ نامی گاوں آتا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ گاوں چاروں طرف سے اونچی اونچی پہاڑیوں سے گھیرا ہوا ہے اور بیچ میں تھوڑی سی ہموار زمین جہاں مشکل سے دس پندرہ گھرانے آباد ہیں، بڑے بڑے چنار کے درخت اور دوسرے پیڑ پودوں کی کثرت انسان کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ کہ کیا وہ کشمیر میں ہی ہے یا کسی اور دنیا کی سیر کر رہا ہے یا کسی ریشی کے آشرم میں پہنچا ہے جہاں نہ تو بیرونی دنیا سے ملاپ کا کوئی ذریعہ ہے اور نہ انسانی شور و غل سنائی دیتا ہے اکثر سکولوں کے بچے یہاں اکسکرشن منانے آتے ہیں۔

ہربل فارم زرینہ پورہ اگر انسان کو قدرت کی کاریگری کا مشاہدہ مطلوب ہو تو اُسے جڑی بوٹیوں کے فارم زرینہ پورہ کی سیر کرنی چاہئیے۔ یہاں قدم قدم پر ایک محقق کے لئے مواد دستیاب ہے کہ قدرت نے معمولی جڑی بوٹیوں میں جو اکثر ہماری نظروں سے گذرتی ہیں کتنا شفا پوشیدہ رکھا ہے یہ فارم بیجبہاڑہ کے مغرب میں ۹ کلومیٹر کے فاصلے پر قائم ہوا ہے۔

زیارت گاہیں

شیخ عبدالرحمان کنلوفی آپ کا مرقد کنلون میں مزار ڈگر پورہ کے ایک طرف چنار کے پاس ہی ہے ۔ ہر سال وہاں شمعیں جلاکر چراغاں کیا جاتا ہے اور کچھ عقیدت مند جمع ہوجاتے ہیں مرقد شیخ موجودہ ڈاک گھر و علاقائی دیہاتی بنک کے سامنے سڑک کے دوسرے طرف واقع ہے۔ اسی جگہ اب بڑا چنار کھڑا ہے ۔ آج سے ڈھائی تین سو سال پہلے شیخ عبدالرحمان سلسلہ کبرویہ کے زبردست پرہیزگار و عامل پیر و گذرے ہیں۔ فتحات کبرویہ میں عبدالوہاب نوری نے ان کا ذکر کیا ہے۔

مقصود شاہ صاحب تکی بل مقصود شاہ صاحب مادرزاد ولی تھے ینچورہ شوپیان کے رہنے والے تھے بچپن میں ہی دنیاوی عیش و آرام چھوڑ کر راہ حق کی جانب چل پڑے پہلے موضع کنڈی پورہ میں قیام کیا ۔ مگر یہاں کا ماحول راس نہ آیا پھر پہاڑیوں سے گھرے ہوئے تنہا مقام تکی بل میں سکونت اختیار کی ۔ زندگی کے آخری دم تک وہیں قیام کیا کیونکہ یہ جگہ دنیا سے جیسے الگ تھلگ گھنے جنگلوں سے گھری ہوئی تھی ۔ آپ حضرت بابا نصیب الدین غازی کے خاص خلیفوں میں شمار ہوتے تھے ۔ ہفتے میں صرف ایک بار اپنے حجرے سے نکل کر

بجبہاڑہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھتے اور وعظ فرماتے۔ ان کی روحانی عظمت کا اعتراف اس بات سے کرنا پڑتا ہے کہ جمعہ کے روز لوگوں کا جمِ غفیر ان کے استقبال کے لئے بیب وید کے آستان پاک کے قریب منتظر رہتا۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ ۱۱۵۵ھ میں واصل حق ہوئے۔

حضرت قاسم شاہ واگہ ہامہ

واگہ ہامہ میں پہاڑی کے دامن میں مدفون ہیں یہ انتہائی پرسکون جگہ ہے۔ یہاں ہر سال دس اپریل کو میلہ لگتا ہے۔ آستان پاک کے سامنے مشہور تاریخی چشمہ ہے جسے "ہستی کرن" کہتے ہیں۔ جس کا ذکر راج ترنگنی میں ہوا ہے قاسم صاحب واگہ ہامہ کے ہی باشندہ تھے زبردست پرہیزگار اور عارف باللہ تھے۔

زون بابہ صاحب کتری ڈینگ

باکمال صوفی بزرگ، متقی اور صاحب کرامات بزرگ تھے۔ ان کے متعلق یہ کہاوت بہت مشہور ہے کہ شب قدر کی متبرک رات کو سحر سے تھوڑی دیر پہلے دریا پر وضو کر رہے تھے جب فارغ ہو کر کھڑے ہوئے تو چاروں طرف پیڑ پودوں کو سربسجود دیکھا اور یہ حیران کن منظر دیکھ کر خود بھی سجدہ ریز ہو گئے آج بھی شب قدر کے مقدس تہوار پر سحر کے وقت یہاں محفل سماع ہوتی ہے اور سورج نکلنے سے پہلے ختم ہوتی ہے

ان کے خادم جو آستان عالیہ کے پاس ہی رہتے ہیں نہ خود حقہ پیتے ہیں اور نہ کسی کو اس کی اجازت دیتے ہیں۔

حضرت بابا نیکو ریشی نائل

حضرت بابا نیکو ریشی موضع نائل میں آسودہ ہیں۔ روایت ہے کہ زمانہ قدیم میں تین دوستان خدا وارد موضع ہوئے۔ حضرت نیکو ریشی کے دو خادم "بُدری پڈر" اور "لبُی پنڈت" دونوں بڑے انہماک سے حضرت ریشی کی خدمت کیا کرتے تھے۔ دونوں کی ذُریت آج تک موضع مذکورہ میں آباد ہے۔ لیکن حضرت مجرد زندگی گذارتے تھے۔ رحمت حق ہونے کے بعد انہیں نائل ہیرہ پورہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ ان کے مرقد مقدس کے ارد گرد ایک حجرہ تعمیر کیا گیا۔ بعد میں حجرے کے ایک طرف ذیلدار نائل خواجہ عبدالغنی ڈار نے ایک مسجد شریف تعمیر کروائی۔ خواجہ نورالدین ڈار نے حجرے کو ایک پر رونق آستانے میں تبدیل کروا دیا۔ آج کل آستانہ عالیہ کے ایک جانب جامع مسجد تعمیر ہوئی ہے جامع مسجد کی تعمیر خواجہ غلام نبی وانی کی نگرانی میں تکمیل کو پہنچی۔ جو بہت عرصے تک صدر اوقاف رہے ہیں۔ ان کے بعد خواجہ عبدالغنی کھانڈے صدر اوقاف کی مساعی جمیلہ سے دلکش اور شایان شان ڈیوڑھی تعمیر کروائی گئی۔ ریشی مذکورہ کی آمد آج سے تقریباً ۳۰۰ سال قبل واقع ہوئی ہے آپ صاحب

کمال ریشی تھے۔ آستان عالیہ کا کلس بہت قدیم زمانے میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس کی چوب کاری آج تک بے مثال ہے۔ نائل میں ہر سال ۱۷ اپریل کو لشی کا چراغاں ہوتا ہے اور دو تین روز تک میلہ لگتا ہے۔ ۱۷ اپریل کی شام کو صرف دال اور انڈے پکوائے جاتے ہیں۔ گوشت خوری اس شام کو ترک کی جاتی ہے۔

نُنہ بابا صاحبؒ صاحب کمال بزرگ و صوفی منش تھے زیرونی بجبہاڑہ میں دفن ہیں مگر ان کے مرقد پر کوئی آستانہ تعمیر نہیں ہوا ہے کیونکہ روایت ہے کہ انہوں نے اپنے طالبوں سے اس قسم کی وصیت پہلے ہی کی تھی۔ وہ گمنام زندگی تنہا نشینی زیادہ پسند کرتے تھے۔

سعید کرم الدین بغدادیؒ واگہ ہامہ سرہامہ سڑک پر پتی بلہ یار کے نزدیک ان کا آستانہ عالیہ ہے۔ ہر سال بیساکھ میں یہاں عرس منایا جاتا ہے حضرت امیر کبیرؒ کے ساتھ کشمیر تشریف لائے اور سرہامہ کے گاؤں میں ساری زندگی یاد الٰہی میں گذاری۔

سعید شاہ نورانیؒ پازال پورہ صاحب کمال اور متقی صوفی بزرگ تھے ان کے ساتھ حیران کن کشف و کرامات وابستہ ہیں۔ یہ آستان عالیہ اس لئے بھی تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ یہاں ہر سال ایک بزرگ

گھوڑے پر سوار ہوکر میلہ بجبہاڑہ میں شرکت کرنے اور آستان عالیہ حضرت غازیؒ صاحب میں حاضری دینے آتا تھا۔اس بزرگ کے ساتھ ہزاروں لوگوں کا کارواں چلتا تھا۔اس کو میلہ مہرازہ" کہتے تھے مگر اب یہ رسم جاری نہیں رہی۔میلہ بجبہاڑہ کو کشمیر کی ثقافتی تاریخ میں کافی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ میلہ ۱۵ دن تک جاری رہتا ہے اور کشمیر کے اطراف واکناف سے لوگ ناچ کرنے والے لوگ جنہیں "بانڈ" کہتے ہیں یہاں جمع ہوکر رقص کا زبردست مظاہرہ کرتے ہیں۔اس رقص کو کشمیری میں دمبالی یا "دماّلی" کہتے ہیں۔کشمیر کے صوفی منش اس دمبالی کو دیکھنے کے لئے کافی تعداد میں بجبہاڑہ میں جمع ہوتے ہیں۔

ورناگ زینہ پورہ یہ مقدس چشمہ جس کا تذکرہ نیل مت پوران میں ہوا ہے زینہ پورہ گاؤں میں جو بجبہاڑہ کے مغرب میں ۱۰ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔آج بھی اپنی آن بان سے جاری ہے۔ایک لوک روایت کے مطابق جو آدمی نئے سال کے پہلے دن اس چشمے میں نہاکر دن بھر بے کھائے رہ کر یادالٰہی میں مشغول رہتا ہے۔آنے والا سال اس کے لئے رحمت ثابت ہوتا ہے اسی لئے آج بھی نوراترا کی پہلی اماوس کے دن عقیدت مندوں کی کافی تعداد اس چشمے میں نہاکر اور پوجا

پاٹھ کر کے فرحت محسوس کرتی ہے۔ یہ چشمہ کافی گہرا ہے اور اس کا پانی نیلگوں کے بجائے سیاہی مائل ہے یہ شاید اس لئے کہ چشمے کے ارد گرد آٹھ دس چنار ہیں جن کا سایہ ہمیشہ چشمے پر رہتا ہے یہ چشمہ تاریخی اہمیت کا حامل ہو کر بھی عدم توجہی کا شکار ہے جس کے نتیجے میں نالہ سوپہ من جو تیز رو نالہ اس کے قریب بہتا ہے اس کی بیرونی سطح کو کرید رہا ہے۔ اگر اس کی طرف فوراً توجہ نہ دی گئی تو ایک دن یہ خوبصورت اور پرسکون چشمہ صرف تاریخی کتابوں میں ہی نظر آئے گا۔

زیارت شاہ ہمدانؒ وچی

موضع وچی بجبہاڑہ سے ۸ کلومیٹر شمال و مغرب میں واقع ہے

یہ ایک تاریخی گاؤں ہے۔ راج ترنگنی کے مطابق و جیشور یونیورسٹی کے معلم اعلیٰ سفر اور اعلیٰ درجے کے رشی اسی گاؤں میں سکونت پذیر تھے۔ اسی تاریخی گاؤں کو بانی مسلمانی میر سید علی ہمدانیؒ نے اپنی قیام گاہ بنا کر علاقہ مراز کو سرفراز کیا۔ حضرت ہمدانؒ تین بار کشمیر تشریف لائے اور ہر بار کی تشریف آوری پر موضع وچی کی سرزمین حضرت کی قدمبوسی کا شرف حاصل کر گئی۔ آپ نے تبلیغی کام کے لئے یہاں ایک خانقاہ کی سنگ بنیاد ڈالی۔ اس بابرکت جگہ کو "خانقاہ اعلیٰ" کہتے ہیں۔ اور یہ خانقاہ کشمیر کے متبرک اسلامی آثاروں میں سرفہرست تصور ہوتی ہے۔

منگلا دیوی وچی وچی کا قدیم تاریخی نام وشیچکا ہے۔ اس مقدس گاؤں میں وجیشور وشو ودھالیہ (یونیورسٹی) میں کام کرنے والے بڑے بڑے عالم و فاضل سکالر رہا کرتے تھے۔ جیسا کہ راجا گوپادتیہ کے تذکرے میں بیان ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن عالموں کی اس بستی میں ایک بدکردار آدمی نے ایک گھناؤنا جرم کیا۔ مجرم کو راجا کے سامنے پیش کیا گیا۔ راجا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ ایک برہمن عالم جو دنیا کو نیکی کا درس دینے والا ہو خود گناہ اور برائی کی دلدل میں پھنس جائے راجا نے انتہائی غصے میں میان سے تلوار نکال کر نوجوان برہمن کا سر قلم کرنا چاہا مگر راجا کے عقلمند وزیر ستہ دان نے راجا کا ہاتھ روک کر کہا " راجن! آپ کے لئے ایسا کام کرنا شوبھا نہیں دیتا جس براہمن کو راجا بھی پرنام کرتے ہیں اس کا قتل راجا کر ایسا شاستروں کے اصولوں اور کھشتریہ دھرم کے خلاف ہے۔ اے نیک راجا! پھر آپ میں اور اس مجرم میں کوئی فرق نہیں رہتا وزیر کی باتوں کا راجا پر اثر ہوا۔ اس نے تلوار میان میں رکھ دی۔ اور وزیر سے سزا تجویز کرنے کو کہا۔ وزیر نے کہا کہ اے راجا! اس کم عقل براہمن کو وجیشور سے وشیچکا تک گھسیٹ کر لینا چاہیئے۔ اور راستے کے دونوں طرف لوگ اس برہمن کو دھتکاریں۔ راجا کو تجویز پسند آئی۔ چنانچہ راجا نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ مجرم کو وشیچکا

تک گھسیٹ کرلے جاؤ۔ جب مجرم کو اپنے گھر کے پاس پہنچایا گیا تو اس کی موت واقع ہوئی۔ براہمنوں کی سبھا نے فیصلہ کرلیا کہ مجرم کو جلانے کی اجازت نہ دی جائے۔ اسی اثنا میں مجرم کا باپ "رتن دیو" جو زبردست دیوی اپاسک تھا اور ہر مکٹ یاترا کو گیا ہوا تھا اسی دن واپس لوٹا جب لڑکے کی لاش آنگن میں بے گور و کفن ... دیکھی تو سکتے میں آگیا۔ آخر ماجرا کیا ہوا؟ جب اس نے سارا حال سنا تو افسوس سے ہاتھ ملتا رہ گیا آخر برادری کے پاس جاکر گڑگڑاکر رونے لگا کہ اس کے بیٹے کو جلانے کی اجازت دی جائے مگر انہوں نے بوڑھے آدمی کے مجروح جذبات اور جوان بیٹے کی موت کا صدمہ خاطر میں نہ لاکر بوڑھے کو دھتکارا۔ مایوس نامراد باپ واپس گھر لوٹا۔ اسی اثنا رتن دیو کو ایک خیال آیا رات کی تاریکی میں اپنے بدنصیب بیٹے کو کاندھے پر اٹھاکر پاس کے ایک جنگل میں جہاں معمولی سی غار بنی تھی اس کے اندر چلا گیا بیٹے کا سر اپنی ہتھیلیوں میں رکھ کر زار و قطار رونے لگا اور اشٹ دیوی "منگلا بھگوتی" کو اپنی دکھ بھری کہانی نہ تھمنے والے آنسوؤں کے ذریعے سناتا رہا۔ تین دن اسی حالت میں گذر گئے آخر تیسری رات کو گپھا میں زبردست اجالا پھیل گیا۔ رتن دیو نے حیرت سے جب نگاہ اٹھائی تو منگلا بھگوتی کو سامنے پاکر خوشی سے اچھل پڑا۔ ماتا نے کہا "پتر بول کیا چاہیئے؟" رتن دیو نے رندھے

ہوئے گلے سے کہا " ماتا مجھے کچھ نہیں چاہیئے ۔ میں اپنے بدنصیب بیٹے کا انتم سنسکار کرنا چاہتا ہوں جس کی مجھے اجازت نہیں ملتی " بھگوتی نے کہا " پیارے بھگت ! تمہارا بیٹا تم سے پہلے نہیں مرے گا اور یہ تپسوی ، گیان والا اور پرم سادھو بنے گا اور تمہاری مکتی ہوگی اور جو بھگت پاپ کرموں سے توبہ کر کے سچے من سے ایشور پراپتی کی اچھا سے میرے پاس آئے اس کے سب مسائل حل ہوں گے اور یہ کہہ کر روشنی غائب ہوگئی جوان برہمن جیسے نیند سے جاگ پڑا ۔ وہ کئی سال اسی گپھا میں چھپا رہا اور اپنے گناہوں سے توبہ کر کے یاد الٰہی میں اتنا مشغول ہوا کہ اُسے اپنے آپ کی بھی سُدھ بُدھ نہ رہی ۔ برہمن لڑکا ایشور کی مہربانی سے بہت بڑا رشی بن گیا ۔ جس کے درشن کے لئے لوگ دور دور سے آنے لگے ۔ یہی تیرتھ کی شکل اختیار کر گئی اور آج بھی یہاں نوراترا کے تیسرے دن یاترا ہوتی ہے دور دور سے لوگ ماتا کے درشن کو آتے ہیں ؂

تکیہ بسم اللہ صاحب

دریائے جہلم کے کنارے دیو کی یا دول کے نزدیک ایک باسعادت روحانی کمالات والا بزرگ بسم اللہ صاحب نام کا چھوٹے سے حجرے میں رہتا تھا ۔ حقیقت لم یزلی کے ساتھ والہانہ عشق رکھنے والا عاشق

؂ دیکھیے کاورنن : شاروا قلمی نسخہ ، مملوکہ شری مدھوسیدن شاستری بجبہاڑہ

جو بیشتر وقت کے لئے تصور عشق کے رموز میں ڈوب کر بیرونی دنیا سے لاتعلق رہتا تھا۔ ان کے بے شمار خادم اور طالب تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کا حجرہ "بسم اللہ صاحب کا تکیہ" کہلانے لگا، اور آج کل یہاں خوبصورت مسجد تعمیر ہوئی ہے۔

بابا نصیب الدین غازیؒ اور انکا نور نامہ

ابو الفقراء بابا نصیب الدین غازیؒ کشمیر کے عظیم روحانی بزرگ مانے جاتے ہیں ان کے والد کا نام شیخ میر حسین رازی (رائے) تھا وہ اپنے وقت کے اعلیٰ پایہ کے عالم متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو عربی اور فارسی علوم کا ماہر بنا دیا۔ حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کا زمانہ ۱۵۶۹ء سے ۱۶۳۷ء تک گنا جاتا ہے ان کا مرقد پُر نور کشمیر کے مشہور تاریخی قصبہ بجبہاڑہ میں مرجع خاص و عام ہے۔ ان کا مرقد ایک زیارت گاہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اپنی ستر سالہ عمر شریف میں جو قابل تعریف اور اصلاحی کارہائے نمایاں حضرت غازیؒ نے انجام دیئے ہیں۔ ان میں افضل ترین کارنامہ فارسی زبان میں تحریر کردہ "نور نامہ ہے" اس نور نامے کے قدیم ترین نسخے ریسرچ لائبریری میں ۵۰۴ اور ۷۹۵ مخطوط نمبرات کے تحت محفوظ ہیں۔ ان دو مخطوطات کی تحریروں میں بعض جگہوں پر فرق دکھائی دیتا ہے۔ حضرت علمدار کشمیر شیخ نور الدین نورانیؒ کے

حالاتِ زندگی و کرامات، نیران کے خلیفوں اور کشمیر کی چند تمدن ساز شخصیتوں کا یہ اہم اور پہلا تذکرہ ہے اگرچہ اس اہم تاریخی دستاویز کا سند تحریر حضرت علمدار کشمیرؒ کے دو سو سال بعد عمل پذیر ہوا ہے۔ تاہم اس کے مطالعہ سے ایک بات عیاں ہوتی ہے کہ غازیؒ صاحب کے سامنے کوئی ایسی دستاویز تھی جو حضرت علمدارؒ کے وقت میں ہی تحریر ہوئی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ حضرتِ غازیؒ نے ایسے کسی ماخذ کا نام تحریر میں نہیں لایا ہے پھر بھی ہمیں ان چار ماخذوں کا اندازہ ہوتا ہے جو حضرت غازیؒ کے سامنے نور نامہ تحریر کرتے وقت رہے ہیں۔ ان میں حضرت علمدارؒ کشمیر کے ہم عصر اور بڈشاہ کے درباری شاعر ملک الشعراء ملا احمد کشمیری کا نور نامہ سرفہرست ہے۔ مگر ملا احمد کے باقی تخلیقی کارناموں کی طرح یہ نور نامہ بھی ابھی تک نظروں سے اوجھل ہے۔ حضرت غازیؒ کے نور نامہ کا دوسرا مختصر ماخذ یا یوں کہیں کہ نور نامہ تحریر کرنے کی تحریک کا ماخذ حضرت بابا داؤد خاکیؒ کا ریشی نامہ ہے جو "قصیدہ لامیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت بابا داؤد خاکی غازیؒ صاحب کے پیرِ کامل تھے۔ ممکن ہے کہ خاکی صاحبؒ نے نور نامہ کا یہ منظر اپنے مریدِ صادق کیلئے تحریر کیا ہو۔ اس کے بعد اپنے عزیز طالب کو باقی حصہ مکمل کرنے کی فہمائش کی ہو مگر حضرت غازیؒ نے ایسی کسی عملی تحریک

کا تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے اپنے کسی ماخذ کا نام بھی نہیں لیا ہے۔ اس طرح سے نور نامہ کا محققانہ طریقے سے جائزہ پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ تحقیقی عمل میں رکاوٹوں کے باوجود نور نامہ قدیم کتب میں نہایت معتبر کتاب تصور ہوتی ہے۔ اس کے پہلے تذکرہ ریشیاں کی کوئی دستاویز میسر نہ ہونے کے سبب یہ کتاب بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ خاصکر علمدار کشمیرؒ کے حالات زندگی، روحانی کارناموں کا ذکر جب دوسرے ریشی ناموں میں ملتا ہے وہ سب غازی صاحبؒ کے نور نامہ کو معتبر ماخذ کا درجہ دیتے ہیں اس حقیقت کا اعتراف کرنے والوں میں فارسی ریشی نامہ (ریشی نامہ) کا مصنف بہاوالدین متو "منظوم تاریخ ریشیان" کے مصنف مولانا عبدالوہاب شایق، "نورالدین نامہ" کے مصنف بابا کمال صاحب، "دلکش ریشی نامہ" کے مصنف بابا خلیل، منظوم تاریخ کشمیر باغ سلیمان مصنف میر سعداللہ شاہ آبادی صاحب شامل ہیں

راجہ سکھ جیون مل کی فرمایش پر جب شایق کشمیری شاہ نامہ تحریر کرتے ہیں تو اپنی معرکہ آرا کتاب کی ابتدا اس بند سے شروع کرتے ہیں ؎

رقم کردہ بابا نصیب ولی
بیان در کتاب مناقب جلی

شایق نور نامہ کو "کتاب مناقب" سے یاد کرتا ہے

اور نور نامہ کے خالق کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتا ہے

ہماں راوی عارف معتبر لقیب لبیب وستودہ سیر

دراں نور نامہ رقم ساختہ چو آں کاخ وحدت بپرداختہ

یہ بات تسلیم کرنی ہوگی کہ نور نامہ میں حضرت علمدار کشمیرؒ کے حالاتِ زندگی انتہائی دلپذیر انداز میں تحریر ہوئے ہیں۔ حضرت شاہ ہمدانؒ کے فرزند ارجمند میر محمد ہمدانی حضرت شیخ کی روحانی فضیلت کا تذکرہ سُن کر اس روحانی پیکر سے ملاقات کرنے خود چرارِ شریف تشریف لے جاتے ہیں۔ اور حضرت شیخ کی عاجزی وانکساری کا یہ حال ہے کہ ایک میل ننگے پاؤں چل کر حضرت ہمدانی سے ملاقات کرتے ہیں۔ حضرت میر محمد ہمدانیؒ انہیں چرار شریف میں ہی خط ارشاد عطا کرتے ہیں۔ غازیؒ صاحب کی تحریر کے مطابق حضرت علمدار کشمیر ۶۳ سال کی عمر تک خاکی پیکر میں جلوہ گر رہے۔ حضرت غازیؒ صاحب کی نظر میں علمدار کشمیر اُس نئی فکری لہر کے موجد ہیں جس کو کشمیریت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انہوں نے ہی یہاں کی فکری اساس میں گہرائی پیدا کی، جس سے یہ سرزمین امن و آشتی کا گہوارہ بن گئی۔ وہ انسان دوستی، رواداری اور آپسی بھائی چارے پر زبردست زور دیتے تھے۔ حضرت غازیؒ فرماتے ہیں ؎

شیخ نورالدین کہ نور از خاکِ او آید بیروں
فیض گوناگوں ز روحِ پاکِ او آید بیروں

سچ تو یہ ہے کہ حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ بھی اسی رنگ میں رنگے جاتے ہیں وہ کشمیریت کے مینارِ نور، روحانیت کے عظیم مینار اور وحدانیت کے پرستار حضرت علمدارِ کشمیر کی بابرکت ذات سے بہت متاثر ہوتے ہیں میں یہاں مضمون کی طوالت کا احساس کر کے ان دو بزرگوں کی چار مشترکہ خصوصیتوں کا تذکرہ کروں گا جس طرح شیخ کامل کو شیخ العالم علمدار ملک کشمیر یا حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ کہلوانے کے بجائے "نُندہ ریوش" یا خالص "نُندہ" کہنا ہی بھلا لگتا تھا۔ اسی طرح حضرت غازیؒ کو ابو الفقراء یا حضرت نصیب الدین غازیؒ کے بدلے "نصیب کشیری" یا خالص "نصیب" کہنا بھلا لگتا تھا۔ جیسا کہ نور نامہ میں تحریر ہوا ہے۔ دوسری خصوصیت جو دونوں روحانی بزرگ بالا شخصیتوں میں مشترک ہے وہ یہ کہ دونوں کشمیر کے چپے چپے کو روحانی و مادی لحاظ آباد و سیراب دیکھنا چاہتے تھے۔ دونوں اپنے خلیفوں کے ہمراہ کشمیر کے چپے چپے میں گھومے ہیں۔ اور لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی تاکید کرتے تھے۔ تیسری بات یہ کہ دونوں اہل کشمیر کو بلا لحاظ مذہب و ملت دل کی گہرائیوں سے پیار کرتے تھے اور ان کا بھلا چاہتے تھے۔ اس کا ثبوت حضرت نصیب الدین غازیؒ کے خلیفہ خاص بابا داؤد مشکواتی کی کتاب اسرار الابرار پڑھنے سے ملتا ہے۔ چوتھی بات یہ کہ دونوںؒ نے ساری عمر

عشق کے پوشیدہ رموز میں غوطہ زن رہ کر لذات دنیا کو یکسر چھوڑ دیا۔ ساری عمر فکر و ذکر، وعظ و تبلیغ و ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔

نور نامہ کی سب سے بڑی خصوصیت حضرت شیخ کی کرامات میں سب سے بڑی کرامت ان کا عرفانی کلام ہے جس سے حضرت غازیؒ کے ذوق جمال اور علمی و ادبی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے اگرچہ حضرت غازی خود شاعر نہ تھے مگر ریشیاں کشمیر کی محبت میں چند بے ساختہ شعر کہہ گئے ہیں ؎

روشنائی شمع دین از ریشیاں است　　رونمائی رہ یقین از ریشیاں است

نور افشاں چوں ارم از ہر طرف　　گوشہ ہا ستان از ریشیاں است

مگر حضرت غازیؒ کو جلد ہی شعر گوئی میں دست رس نہ ہونے کا احساس ہوا ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں ؎

شعر گفتن پیشہ درویش نیست　　پیشہ درویش و روریشیاں است

خود شاعر نہ ہونے پر بھی حضرت غازی زبردست شعر فہم اور سخن شناس تھے۔ حضرت شیخ کے کلام کا انتخاب اور نور نامہ میں اس کی بے مثال تشریح خود اس بات کا ثبوت ہے چنانچہ نندہ ریشی کے کلام کا جائزہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"بزبان کشمیری طبعی موزون داشت، نکتہ ہائے باریک سخن ہائی خوب گفتنی۔ کلام وی مشتمل بر پند و نصیحت است مقرو معنی

آں کلام عین شریعت و طریقت و معرفت و حقیقت است۔ اگر سالکان راہِ شریعت و طریقت بشعر حضرت شیخ بہوش تمام گوش دارند و مطالعہ کنند۔ حاجت بکتابہای دیگراں نباشد"

(ڈاکٹر مرغوب بانہالی)

سمتھن تہذیب

ایس پی گپتا کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر کوئی تمدن اپنے ماحول، عوام اور تواریخی حالات کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ چاہیئے اس پر دوسرے تمدن کے کتنے ہی اثرات کیوں نہ پڑیں مگر یہ اپنی انفرادیت کو ہمیشہ کسی نہ کسی طریقے سے قائم رکھتا ہے۔

اسی پس منظر میں پچھلی چند دہائیوں سے برزہامہ، گوپھکرال اور سمتھن کا نام عالمی آثار قدیمہ کی کتابوں میں جگہ جگہ لکھا گیا۔ کشمیر کا ایک خاص جغرافیائی ماحول ہونے کی وجہ سے یہاں کا معاشرتی نظام اپنے انداز سے پنپتا رہا۔ جب تک نہ ہم قبل از تاریخی ماخذوں کی طرف توجہ دیں تب تک ہم اپنے تمدن کے خدوخال کو اجاگر نہیں کر سکتے۔ ان ہی تمدنی اساسوں کے نشانات واضح کرنے کے لئے سمتھن ایک خاص اہمیت کا حامل بن چکا ہے۔

قصبہ بجبہاڑہ سے ۲ کلو میٹر اور شہر سرینگر سے ۴۸ کلومیٹر دور، جنوب کی طرف ایک گاؤں ہے جس کا نام

سمتھن[1] ہے۔ آج بھی یہ گاوں اسی نام سے مشہور ہے۔ اسی گاوں کے ساتھ ایک کریوہ ہے۔ جس کو ٹزکہ در وُڈر (پہاڑی) کہتے ہیں۔ ٹزکدرہ کا ذکر ہماری تاریخی کتابوں میں درج ہے۔ چکدرہ اصل میں چکردھر کا بگڑا روپ ہے۔ اس تعلق سے یہاں وشنو کا تیرتھ تھا۔ یہ جگہ ایک چھوٹی پہاڑی ہے جس کے اوپر ہموار میدان ہے اس کے اوپر اس وقت طوطک شاہ صاحب کا مقبرہ اور ایک چنار ہے۔ اس کے چاروں طرف خشک کھیت ہیں اس کے ساتھ ہی پتھروں کا ایک چبوترہ ہے جس میں کچھ قبریں ہیں۔ مرکزی آثار قدیمہ کی طرف سے کھدائی کا کام ۱۹۷۷ء،۷۸ میں شروع ہوا۔ یہ کھدائی کا کام "ایچ کے نراین" کی سربراہی میں شروع ہوا۔ ایس، ایل شالی اس کے معاون تھے۔ کھدائی کے دوران ۵۰ سینٹی میٹر زمینی سطح موسمی تباہ کاری سے خراب ہو چکی تھی۔ اس کے نیچے زمین کا ایک فرش تھا۔ جسمیں سفید مٹی کے آثار پائے گئے۔ اس فرش میں کچھ سُرخ مٹی کے برتن جن کا تعلق ابتدائی تواریخی زمانہ سے تھا۔ ان برتنوں میں کوزے، مرتبان اور رکابیاں ملیں۔ اس کے علاوہ یہاں اینٹوں کی ایک زمین دوز نالی بدست آئی جو شاید قریبی چشمے

---

[1] آٹھویں صدی عیسوی میں سمتھن کو ہائے میتھن کہتے تھے۔

سے پانی حاصل ہوتا تھا ۔ اس کھدائی سے چار ادوار کا پتہ چلتا ہے،

پہلا دور : اس دور کی دستیاب چیزوں میں رکابیاں، پیالے طشتریاں، مرتبان اور اوپری گولائی کے بغیر ہانڈی، مختلف مواد سے بنائے ہوئے مالا کے دانے (تسبیح کے دانے)، لوہے کے چند اوزار، پیتل کے سکے اور ایک مہر (STAMP) جو براہمی رسم الخط میں ہے ۔ برتن کے ٹکڑوں میں سرخ، بھورے اور سیاہ رنگ کے ٹکڑے اور پالش کئے ہوئے سیاہ برتن ملے ہیں ۔

دوسرا دور : دوسرے دور کی نمائندگی سرخ برتن کر رہے ہیں ۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ برتن اور ان کی بناوٹ دیکھنے کی چیز ہے ۔ ان برتنوں میں کٹورے، بڑے پیالے خوبصورت ڈیزائین کے ڈھکنے، دوات کی شکل کے گول برتن اور چھوٹے مرتبان ہیں ۔

تیسرا دور : اس دور کے برتنوں میں علاقائی رنگ جھلکتا ہے ۔ ان برتنوں میں طشتریاں، رکابیاں اور مرتبان شامل ہیں ۔ اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو یہ دور وادی کے طرحدار اور عالیشان تعمیری کاری گری کا پتہ دیتا ہے ۔

چوتھا دور : ان برتنوں کا ہے جو کھردری مٹی سے کمہار کے چکر پر تیار ہوئے ہیں ۔ ان میں مٹی کے پیالے اور بڑے

کوزے و ہانڈیاں شامل ہیں۔ ان برتنوں کا رنگ ہلکا سرخ ہے۔

تمدنی اور تاریخی پس منظر کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں شری آر۔ ایس بشٹ کی نگرانی میں تیار کی گئی رپورٹ کا مطالعہ کرنا ضروری ہوگا۔ یہ رپورٹ ۸۱-۱۹۸۰ء میں تیار کی گئی۔ ماہر آثارِ قدیمہ نے پہلے دور کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

FABRIC B کے برتن مایہ دار مٹی کے بنے ہیں اور کمہار کے چکر پر تیار ہوئے ہیں۔ رنگ بھورا، سرخ اور گہرا سرخ ہے۔ ان برتنوں میں پکانے کے برتن اور کھانے کے طرح طرح کے برتن شامل ہیں۔ برتنوں میں تنگ پتیلے اور گل دان بھی شامل ہیں

FABRIC D میں دو قسم کے برتن شامل ہیں ایک وہ جو چمکدار بھورے اور معمولی بھورے رنگ والے ہیں اور ان میں ریت کی خاصی مقدار شامل ہے۔

تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے دور میں گندم، جو اور شالی کی کاشت ہوتی تھی اس دور میں یہاں ولیوار کے کافی درخت موجود تھے۔ یہ بات تحقیق سے ثابت ہوئی ہے۔

دوسرے دور کے برتنوں میں (K.D.P) یعنی شمالی خطے کے سیاہ روغن والے مٹی کے برتن بھی ملے ہیں۔ یہاں چھوٹے پتھروں کی ایک دیوار بھی ہاتھ آئی۔ ایک سانچہ جسمیں تانبے کے سکے تیار

کئے جاتے ہیں۔

تیسرے دور کے چمکدار سُرخ یا سنترے رنگ کے برتنوں کی بناوٹ نہایت اعلیٰ قسم کی ہے۔ ان میں تھالیاں، کٹورے اور پیالے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک مہر ملی ہے جس پر ہندیونانی دیوتا کی تصویر بنی ہے۔ یہ موہر مٹی کی ہے۔

چوتھے دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں قیمتی پتھروں کے تسبیح دانے، تانبے اور لوہے کے مختلف اشیاء ملے ہیں۔

پانچواں دور اس دور کی عکاسی کرتا ہے جب کشمیر میں مندر تعمیر کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور فن سنگ تراشی عروج پر پہنچ گئی۔

۸۰-۱۹۷۹ء میں پروفیسر آر، وی، جوشی اور ان کے ساتھیوں نے ۸۱-۱۹۸۰ میں ایس این راج گرو۔ ایم۔ ڈی کیجاے اور دکن کالج کے کرن کولی نے کشمیر کے چند کریوول پر مٹی کا کیمیائی تجزیہ کیا اور اسی کے ساتھ سمنفن کی مٹی کا بھی تجزیہ کیا گیا اور ان پر تحقیق کا عمل شروع ہوا جس کے نتائج حسب ذیل ہیں؛

۱۔ سمنفن SIGHT تاریخ کے ابتدائی ادوار سے گہرا تعلق رکھتا ہے ۲۔ مٹی کے مورتیوں سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ کشمیر پر کبھی یونانی بادشاہوں کی حکومت تھی۔ اس کے ثبوت میں یونانی سکے اور مہریں پیش کی جاتی ہیں۔

۴ے MAN & ENVIRONMENT ۱۹۸۲ء جلد ۶ کے مطابق سمتھن کے مقام پر دو تہذیبوں کی نشاندہی ہوتی ہے ایک PROTO-HISTORIC یعنی بنیادی تاریخی دور دوسرا ابتدائی تاریخی دور جس کو آرکیولاجی اصطلاح میں N.B.P PERIOD کہتے ہیں۔ اس زبردست تحقیق سے وہ گتھی سلجھ جاتی ہے جو سنخو بھک کلچر اور ہند یونانی تمدن کے درمیان وقفہ رہتا تھا حل ہوگیا ہے۔ برزہامہ کا تمدن ۱۵۰۰ قبل مسیح مقرر کیا گیا ہے۔ اور ہند یونانی تمدن دوسری قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔

۴ے سمتھن کے یہ دو تہذیبی دھارے ہمیں اس بات کا پتہ دیتے ہیں۔ کہ شمال مغربی ہندوستان کے ساتھ کاری گری سنگتراشی اور تخلیقی تال میل رہا ہے۔ اگرچہ یہ تعلق کسی تنظیمی مشکل میں موجود نہیں۔

۵ے ان دونوں ادوار میں کشمیر چاول، گندم اور جو کا استعمال ہوتا تھا۔

۶ے تانبے اور لوہے کے اوزاروں کا استعمال عام تھا۔ سکوں کا رواج بھی ہو چلا تھا۔

۷ے دلچسپ بات یہ ہے کہ مٹی کے برتن بنانے کی صنعت نے اس دور میں کافی ترقی کی تھی۔

۸ے شری ایس، ایل شالی کے مطابق کچھ عالم کشمیر میں موریہ

حکومت کو تسلیم نہیں کرتے۔ مگر سمتھن میں ملے مٹی کے برتن دو قسم کے ہیں پہلا قسم N.B.P یعنی شمالی بھارت کے سیاہ روغن دار مٹی کے برتن اور دوسرا سرخ روغن لگے مٹی کے برتن، جن کا تعلق چھٹی تا دوسری قبل مسیح سے ہے۔ دوسری قسم کے مٹی کے برتن اس بات کی کافی شہادت بہم کرتے ہیں کہ کشمیر کا شمالی بھارت کے ساتھ قریبی تعلق رہا ہے۔ جو چیزیں ہمیں سمتھن سے حاصل ہوئی ہیں۔ ان پر مزید تحقیق کرنے سے یہ بات بھی عیاں ہو جائے گی کہ کشمیر مہاراجہ اشوک کی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ اور کلہن نے جو حوالہ اس بارے میں راج ترنگنی میں دیا ہے صحیح ہے۔ بہر حال یہ اہم تاریخی جگہ ہمارے تمدنی میراث میں ایک اہم حیثیت رکھتی ہے۔ (تحریر: جناب ارجن دیو مجبور کشمیری سے ترجمہ: آتش)

سیاسی شخصیات

علاقہ مراز یعنی جنوبی کشمیر میں کسی بھی سیاسی تحریک کا جنم نہیں ہوا ہے تاں دوبارہ عوامی بغاوتیں رونما ہوئی ہیں۔ پہلی دسویں صدی کی اور دوسری انیسویں صدی میں جیسا کہ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے۔ کشمیر میں موجودہ دور کی پہلی سیاسی تحریک مسلم

کانفرنس کی شکل میں اظہار ہوتی ہے۔ اس کی وجوہات کے بارے میں ایک مصنف جان گنتر یوں رقمطراز ہیں:

"ان لوگوں کے اسلاف نے انتہائی عسرت اور تنگدستی کا زمانہ دیکھا ہے۔ ہانجی بہت بدنام طبقہ تھا۔ سرینگر کی حالت بیسوی صدی کے ابتدائی دنوں میں نہایت ابتر تھی۔ زینہ کدل اور گاؤ کدل میں دو قحبہ خانے چالو تھے۔ گداگری اور چوریاں عام تھیں اور ایک دمڑی (¼ آنے کا) پر لوگوں کا ہجوم جھپٹ پڑتا تھا مزدوری بہت سستی تھی۔ شالی کی ایک خروار ۴ آنہ میں کوٹی جاتی تھی۔ عورتیں گھر گھر شالی کوٹنے کیلئے دربدر پھرتی تھیں بے کاری اتنی سخت تھی کہ دس یا بارہ افراد کے گھرانے میں ایک کمانے والا ہوتا تھا۔ اموات زیادہ اور پیدائش کی شرح کم بیماریاں عام مگر علاج کچھ نہیں۔ سرینگر کی آبادی

THE GENERATION NOW RULING THE COUNTRY IS THE OFFSPRING OF A GENERATION THAT LIVED THROUG OBJECT MISERY. HANJI CLASS WAS A NOTORIOUS LOT. SRINAGER CITY OF EARLY 20IES PRESENTED A GRIM PICTURE TWO PROSTITUTION CENTRES AT ZAINAKADAL

۲/۱ لاکھ تھی۔ یہاں چند سرمایہ دار اور تجارتی اجارہ دار گھرانے تھے جن کو "خوجہ" کہا جاتا تھا۔ عام دکانداروں اور صنعت کاروں کی آمدنی انتہائی قلیل تھی یعنی آٹھ آنہ یومیہ سے بھی کم۔ میلے گندے کپڑے چاروں طرف دکھائی دیتے تھے۔ صابن قیمتی اور نایاب تھی۔ سکھوں کی معاشی حالت بھی دردناک تھی

AND GAWKADAL. THEFTS DAY AND NIGHT. BEGGING SO COMMON THAT A HUGE CROWED POUNCED UPON A DUMRI ($\frac{1}{16}$ OF AN ANNA) LABOUR SO CHEAP THAT A KHIRWAR OF SHALI COULD BE HUSKED AT ANNAS FOUR. UNASKED FOR HOUSE TO HOUSE SERVICE BY WOMEN, ILLITRACY SO GLARING ONLY FEW GOLD'S ANOINTED COULD READ OR WRITE, UN-EMPLOYMENT SO ACUTE THAT HARDLY ONE WAS AN EARNING MEMBER IN A FAMILY OF TEN OR 12 BIRTH RATE LOW AND DEATH RATE HIGH DUE TO DISEASES FOR WHICH NO TREATMENT WAS AVAI-LABLE RECREATIONS AND AMMUSEMENTS WERE UNKNOWN. THERE WERE FEW TRADESMEN

پانچ فیصدی ہندو آسودہ حال تھے انہیں "خوجہ" کی طرح "رازہ" کہا جاتا تھا۔ عام ہندو تیسرے درجے کی ملازمت یعنی سپاہ گری معلمی، پٹواری اور کلرکی کرتے تھے۔ سرمایہ دار ہندو سود خوار تھے اور اکثر مسلمانوں کے مکان ان کے پاس گروی تھے

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ کو آزادی کی لڑائی شروع ہوتی ہے۔ اس دن ایک مشتعل ہجوم نے سنٹرل جیل پر دھاوا بول دیا اور پولیس نے ہجوم پر لاٹھی چارج کیا مگر جب اس سے بھی کچھ بن نہ پڑا تو پولیس کو گولی چلانا پڑی جس سے ۹ آدمی موقعہ پر ہی ہلاک ہو گئے۔ بجبہاڑہ میں بھی ۱۹۱ (مارشل لا) کے تحت ایک احتجاجی ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے پولیس کو گولی چلانا پڑی جس سے تین آدمی شہید ہوئے۔ حبیب کمرازی (کمراز کے بانگل پرگنہ کا رہنے والا) شعبان گار ٹانجی لاولد اور حبیب ڈار واگہامہ بجبہاڑہ میں ۱۹۳۳ء میں مسلم کانفرنس کا مقامی یونٹ تشکیل دیا گیا

AND LANDLORDS WHO WERE KNOWN AS KHAJAS

PANDIT AS A CLASS LOOKED A LITTLE BETTER OFF

TO THE EXTENT OF A DIFFERENCE UP TO 5 P.C

THEY WERE COUSTABLES PETTY TEACHERS, CLERKS

AND PATWARIES. THEY HAD CONDEMNED ARTISAN JOBS (JOHN GUNTHER INSIDE ASIA PUB: IN LAHORE 1925)

جس میں گل محمد زرگر المعروف گمہ جو زرگر، غلام مصطفےٰ ناظم منطقی، غلام نبی گتو، خواجہ قادر ڈگے، محمد عبداللہ درزی، عبدالخالق وانی، نبر گھائی، ریشی جو واند، غلام رسول گتو المعروف لدراخی، عبدالغنی کیتو اور غلام محمد شیخ شامل ہو گئے۔ مسلم کانفرنس کی اس مقامی شاخ نے سب سے پہلے مسلمانوں کو صحیح تعلیم و تربیت سے آراستہ کرانے کے مقصد کے پیش نظر غلام مصطفےٰ ناظم کی سرپرستی میں دارالعلوم نام کا ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ ۱۹۳۳ء ہی میں ماہ ماگھ میں مسلم کانفرنس کی سرگردگی میں جلسے اور جلوس وغیرہ نکالے گئے، ہڑتال کئے گئے۔ ۱۹۳۷ء میں مسلم کانفرنس کی ایک ذیلی شاخ شباب المسلمین قائم کی گئی۔ یہ تنظیم سماج سدھار اور بری رسوم کے انسداد کے لئے کام کرنے لگی اس کمیٹی کے صدر نورالدین قدائی اور سیکریٹری غلام نبی زندہ دل (حال مقیم گجرانوالہ پاکستان) مقرر کئے گئے۔

۱۹۳۳ء میں کشمیر مسلم کانفرنس کا دستور اساسی پاس ہوا جس کی رو سے کشمیر مسلم کانفرنس کی CO-ORDINATION آل انڈیا مسلم کانفرنس سے کرائی گئی۔ یہ دستور اساسی مسٹر عبدالقیوم خان نے خواجہ محمد یوسف قریشی جنرل سیکریٹری کی زیر نگرانی تیار کر کے شائع کرایا گیا۔ اس کی رو سے ایک بااختیار ورکنگ باڈی تشکیل دی گئی اور اس میں بجبہارہ کے

منشی خیر اللہ بطورِ ممبر نامزد ہو گئے۔ ۱، ۲، ۳ جولائی کو پونچھ میں مسلم کانفرنس کا تیرھواں سالانہ اجلاس ہوا۔ اس میں منشی ... ، غلام نبی زندہ دل، گلہ جو زرگر نے بطورِ ڈیلیگیٹ شمولیت کی (خواجہ گل جو زرگر کا دعوت نامہ میری ذاتی لائبریری میں آج بھی محفوظ ہے) کچھ نظریاتی اختلافات کی بناء پر مسلم کانفرنس دو حصوں میں تقسیم ہو گئی جس کے نتیجے میں بیجبہاڑہ میں بھی مسلم کانفرنس کے کچھ سرکردہ کارکن نیشنل کانفرنس میں شامل ہو گئے اس وجہ سے ۱۹۴۸ میں مسلم کانفرنس حلقہ کمیٹی بیجبہاڑہ کو از سر نو تشکیل دیا گیا جو مندرجہ ذیل اراکین پر مشتمل تھی۔ منشی خیر اللہ میر، احمد جو لٹو، منشی عبدالکبیر ڈار، سمہ جو وانزہ، غفار جو کھستو، مولوی محمد یوسف شاہ لوبا، غلام حسن میر، خضر میر جو بدر، حبیب جو سنگھی، رجب جو مالتو، غلام مصطفیٰ ملک آروتی، مہدہ شیخ سمتھن، غلام رسول راولو، محمد عبداللہ نجار، محمد ابراھیم نجار، غلام نبی نجار وغیرہ اس کے بعد میر واعظ کشمیر مولانا محمد یوسف شاہ صاحب کی ہدایت پر دارالعلوم نامی تعلیمی ادارے کو انجمن نصرۃ الاسلام سرینگر کی تحویل میں دیا گیا میر واعظ صاحب نے سرینگر سے ہی دو اعلیٰ تعلیم یافتہ مدرسین مولوی حفیظ اللہ اور مولوی محمد سبحان کو یہاں بھیجا جو بڑی لگن اور تندہی سے کام کرتے رہے۔ آج بھی پرائمری سکول علاقہ دھیپن پورہ،

سب سے اہم ہائی سکول مانا جاتا ہے۔ جہاں لڑکوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار کے قریب ہے۔

۱۹۴۱ء میں مسلم کانفرنس کی بلاک کمیٹی کو توڑ کر نئی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ تو غلام نبی زندہ دل (حال پاکستان) کو اس کمیٹی کا صدر اور غلام حسن مخدومی (حال پاکستان) کو سیکریٹری مقرر کیا گیا۔ مخدومی صاحب اخبار "ہمدرد" اور اخبار "مسلم" کے لئے جنوبی کشمیر کے نمائندے کی حیثیت سے بھی کام کرتے تھے۔ مخدومی صاحب انتہائی جوشیلے نوجوان تھے۔ مسلم کانفرنس کی زیر نگرانی مخدومی صاحب نے نوجوانوں کی تنظیم "مسلم سٹوڈنٹس یونین" قائم کی۔ ۱۹۴۵ء میں جب بانی پاکستان علی محمد جناح صاحب کشمیر تشریف لائے تو نیشنل کانفرنس نے شیر پارک کے قریب ان کا استقبال کیا۔ اور مسلم کانفرنس نے موجودہ سب ڈسٹرکٹ ہسپتال کے گراونڈ میں قائد اعظم کا استقبال کیا جہاں مرحوم نورالدین آستان نے قائد اعظم کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا۔

اسی دوران نیشنل کانفرنس نے اپنی صفوں کو مضبوط کرنا شروع کیا۔ اس پارٹی کے دروازے ہر کسی کے لئے کھلے تھے اس جماعت میں کشمیر کے انقلابی ذہن رکھنے والے لوگ شامل ہو گئے۔ ان کی نظر عالمی ملکی و ریاستی سیاست پر واضح تھی۔ مسلم کانفرنس میں بجبہاڑہ کے صاحب ثروت اور مذہبی خیالات

رکھنے والے پیر صاحبان، مسلمان علماء، اور میر واعظ کشمیر کے عقیدت مند شامل رہے۔ دوسری پارٹی یعنی نیشنل کانفرنس میں جاگیرداری، اجارہ داری وسودخواری کے ستائے مظلوم عوام، سماج کے کمزور طبقے، سماجی مصلح، ہندو، ٹانگہ بان، گناٹی، نائی، ہانجی اور عام کسان شامل ہو گئے۔ یہ جماعت صدیوں سے دبے کچلے نوجوانوں، انقلابی ذہن رکھنے والے سورماؤں کا مسکن بن گئی۔ قدرتی بات تھی کہ طاقت اور عظمت میں اس جماعت کا نعم البدل نہیں مل سکا آئے دن بچہاڑہ میں شیر بکرا تنازعہ ہوتا رہا جس میں ہمیشہ شیروں کی جیت ہوتی تھی۔ کبھی کبھی بہت ہی دلخراش اور ناشائستہ واقعات بھی رونما ہوئے مگر لڑائی کے زمانے میں ان باتوں کا وقوع پذیر ہونا تعجب کی بات نہیں۔ نیشنل کانفرنس نے بھی اپنی علاقائی تنظیم کی بنیاد ڈالی جس میں خواجہ غلام مصطفےٰ ٹاک، قادر وگے، نبر گناٹی، غلام نبی گتو، عبدالخالق وانی، قادر گناٹی، محمد عبداللہ درزی، محمد رمضان وگے، کبر حجام، صمد جو رومشو، غفار جو نداف، رحمان آخون عبدالاحد وانی، عمہ جو میر، غلام نبی المعروف نبہ جو وید، غلام محمد خان المعروف محمد خان، غلام مصطفےٰ اسحر خوان، حسن جو نالوائی رحمان جو بدر، حبیب جو زرگر، محمد رمضان حلوائی، محمد عبداللہ

صوفی المعروف عبہ گاڑہ، عمہ شاہ بانگی، رادھا کرشن ٹیکو، غلام محمد شیخ (سلرو محلہ) حاجی عمہ جو سلمہ والمعروف ژیرہ۔ غلام حسن حکیم، محمد مقبول حکیم، عبدالرزاق نالوائی، شمس الدین گتو، ریشی جو دانہ اور بے شمار لوگ جو جنگ آزادی میں اپنا حصہ ادا کر کے راہی ملک عدم ہو گئے اور ہم تک اُن کے نام بھی نہ پہنچ پائے، شامل ہو گئے۔

بجبہاڑہ میں بادشاہ خان کی آمد

۱۹۴۳ء میں جب "کشمیر چھوڑ دو" تحریک زوروں پر تھی خان عبدالغفار خان کشمیر تشریف لائے۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے ہزاروں حریت پسندوں کو قید رکھا تھا۔ ہزاروں پر تعزیری ٹیکس اور ہزاروں پر رسوائے زمانہ سزا "کین" یعنی ٹکٹکی دی جا رہی تھی۔ عبدالغفار خان نے سرینگر میں سنا کہ بجبہاڑہ میں ایک گھر کے سارے افراد کو جیل میں بند کر دیا گیا ہے۔ گھر میں صرف مستورات عسرت اور زبوں حالی کے دن گذار رہی ہیں۔ بیان سن کر بادشاہ خان تڑپ اٹھے۔ فوراً بجبہاڑہ تشریف لائے اور عبدالخالق وانی کے گھر میں گئے اس خاندان کے سارے افراد قید بامشقت کی زندگی گذار رہے تھے۔ مستوارات اہل خانہ

نے بادشاہ خان کیلئے کشمیری چائے بنائی جو انہوں نے مزے لے لے کر پی لی۔ چلتی بار کہا "جس قوم میں ایسے جیالے مجاہد ہوں اس کو ایک ہری سنگھ کیا ہزاروں ہری سنگھ بھی اپنے ارادے سے نہیں ہٹا سکتے۔" ہارا سنگھ (ہری سنگھ) ہارا" یعنی ہری سنگھ یہ جنگ ہار چکا ہے۔ ہرجی لال (جاگیردار) کا مکان آبادی سے قدرے دور تھا۔ اسی مکان کے صحن میں تحریک آزادی میں حصہ لینے والے سرفروشوں کو ٹکٹکی (کوڑے مارنے کی بدنام عالم سزا) دی جاتی تھی۔ ۱۹۴۶ء میں مہاتما گاندھی کا بجبہاڑہ میں شایان شان استقبال ہوا۔ سوموار تھی۔ مہاتما جی اس دن (مون برت) رکھتے تھے یعنی بات نہیں کرتے تھے۔ لوگوں کے جذبات کو دیکھ کر گاندھی نے کاغذ کی ایک پرچی پر لکھ دیا "آپ لوگوں نے بہت دکھ جھیلے ہیں اب اجالا ہونے والا ہے تھوڑا انتظار صبر اور شانتی کیجئے" اس واقعہ کے چند ہی مہینے بعد ہندوستان آزاد ہوا اور کشمیر میں بھی شخصی راج ختم ہو گیا۔ آزادی اپنے ساتھ بربادی بھی لے آئی۔ کشمیر پر قبائلی حملہ ہوا مظفر آباد اور دوسری جگہوں پر سکھوں اور ہندوؤں کا قتل عام ہونے لگا۔ غیر مسلم آبادی کو بچانے کیلئے ریاست جموں و کشمیر کے ہمہ جہت اور ہمہ گیر بلند قامت رہنما شیخ محمد عبداللہ نے ہندو مسلم سکھ اتحاد کا نعرہ بلند کیا۔ شیخ صاحب نے

دو قومی نظریہ رد کر دیا۔ اور امن وآشتی اور بھائی چارے کی اپیل کی۔ اس کی اپیل پر لبیک کر کے ہزاروں کشمیری ہندو، مسلمان، سکھ ایک ہو کر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اب مظفر آباد اور دوسری جگہوں سے آئے سکھ اور ہندو پناہ گزین جو جموں جا رہے تھے جب بجبہاڑہ میں وارد ہوئے تو یہاں مسلمانوں نے ان مصیبت زدہ لوگوں کی دل کھول کر مدد کی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب نمک کی نایابی نے خطرناک صورت اختیار کی۔ نمک کی عدم دستیابی کی وجہ سے لوگوں نے قیمتی مال و جائیداد بھی فروخت کر دی۔

۱۹۴۷ء کے بعد خواجہ غلام مصطفےٰ ٹاک بجبہاڑہ میں نیشنل کانفرنس کے پہلے صدر حلقہ مقرر ہوئے۔

۸ اگست ۱۹۵۳ء کی رات کو شیخ محمد عبداللہ کو اسیر کر دیا گیا۔ ایک طوفان بپا ہو گیا۔ لاکھوں لوگ شیر کشمیر کی والہانہ عقیدت کے جوش میں دیوانہ وار سڑکوں پر نکل آئے ہزاروں لوگوں کو جیل خانوں میں بند رکھا گیا۔ بہتیرے گولیوں کا نشانہ بنائے گئے اس بھاگم بھاگ میں پولیس نے عوام کا ساتھ دینے کی پاداش میں راقم (موہن لال آتش) اور دو دوست سوہنا ففہ ملہ و موہن لال بٹ کو بھی حراست میں لے لیا۔

شیر کشمیر کی گرفتاری کے ۶ سال بعد ان کے قریبی ساتھی اور انتہائی معاملہ فہم ذوہین سیاسی رہنما مرزا محمد افضل بیگ نے محاذ رائے شماری کی بنیاد ڈالی ۔ یہ بہت طاقتور تنظیم تھی بجبہاڑہ میں بھی اس کا ایک یونٹ قائم کیا گیا جس کے ابتدائی ممبران حسب ذیل تھے ۔ محمد عبداللہ درزی ، محمد رمضان وگے ، سعید غلام حسن شاہ عرف پہاڑی ، غلام محمد خان ، حاجی عمہ جو سلرو ، خواجہ عمہ جو بانگی ، جلال الدین حجام ، عبدالعزیز طوری ، غلام قادر راہ ، عبدالاحد پھشو ، مرحوم محمد یوسف سلرو ، فقیر محمد خان ، مرحوم عبدالرحمٰن بدر ، علاقائی ممبروں میں ثناء اللہ بٹ کھرم خاص طور قابل ذکر ہے ۔

۱۹۵۳ء کی طلاطم خیز قوت کو دبانے کے بعد بخشی غلام محمد وزیر اعظم سیاہ و سفید کے مالک بن گئے ۔ ستمبر ۱۹۵۷ء میں نیشنل کانفرنس سے تیز مغز اور دانشور ارکان علیحدہ ہو کر ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس نام کی ایک اور پارٹی بنانے میں کامیاب ہو گئے ۔ اس میں خواجہ غلام محمد صادق ، سید میر قاسم ، ڈی پی دھر ، غلام رسول رینزو ، موتی لال مصری ، پیارے لال ہنڈو ، رام پیارا صراف ، کرشن دیو سیٹھی ، مکھن لال فوطیدار ، عبدالکبیر وانی ، نور محمد شیخ ، عبدالستار رنجور ، رشی دیو ، امیر اللہ خان ، غلام محمد ترهو ، غلام نبی کلر وغیرہ شامل تھے ۔ اننت ناگ اور سانبہ (کٹھوعہ) صرف دو ضلعے ایسے تھے

جہاں ڈی، این، سی پارٹی اتنے گہرے جڑ پکڑ گئی کہ بخشی صاحب کی نیندیں حرام ہوگئیں۔ شری پیارے لال ہنڈو، عبدالکبیر وانی اور مکھن لال فوطیدار نے اپنا خون جگر پلا کر اس معمولی ذرّے کو آتش فشاں میں تبدیل کردیا۔ ہر صبح یہ خبر آتی کہ کل پیارے لال ہنڈو یا مکھن لال فوطیدار یا عبدالکبیر وانی پیس بریگیڈ کے ہاتھوں مرتے مرتے بچ گئے۔ اسی دوران پیر حسام الدین، محمد اشرف خان اور مفتی محمد سعید علی گڑھ سے فارغ التحصیل ہوکر واپس آگئے اور سیدھے ڈی این سی کے آتش فشاں دہانے میں کود پڑے ان نوجوان وکلاء کے پارٹی میں شامل ہونے سے یہ آگ شعلوں میں تبدیل ہونے لگی۔

مفتی محمد سعید کے آنے سے پہلے ہی بجبہاڑہ میں ڈی این سی کی شاخ قائم ہوئی تھی۔ بجبہاڑہ میں اس جماعت کے ابتدائی کارکنوں میں عبدالسلام منڈو کا ذکر پہلے آتا ہے کیونکہ اس آدمی نے ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کو زندہ جاوید تحریک بنانے کے لئے انتہائی قربانیاں دیں۔ اس کے علاوہ احمداللہ وید، محمد عبداللہ شاہ المعروف پہاڑی، غلام رسول شاہ برادر محمد عبداللہ، مرحوم ہردے ناتھ ملہ، علی محمد میر سہہ پورہ، عطا محمد میر سلر، غلام محمد بٹ وہوتو، عبدالغنی پنڈت نائل، غلام نبی سنگھ، غلام محمد الائی، شمس الدین گنجو، غلام رسول شاہ المعروف آستان

غلام نبی گنجو، سومناتھ ملہ، عبدالسلام جیلانی آر وفی، عبدالغنی بٹ بکسیڑ، غلام نبی کلمر بلاک سطح پر تنظیم کو استوار کرنے اور جد وجہد کی راہ پر ایمان غیر متزلزل لئے چلتے رہے۔ مگر جواہر لال نہرو کے اصرار پر دونوں پارٹیوں کا ادغام ہوا اور ایک نئی کیبنٹ وجود میں آئی۔ مگر اس سے بہت سے سرگرم کارکن مثلاً پیارے لال ہنڈو، کرشن دیو سیٹھی، عبدالکبیر وانی، عبدالستار رنجور، رام پیارا صراف بہت بددل ہو گئے۔ مگر مفتی صاحب نے اس وقت صادق صاحب کا ساتھ دیا اور وہ ان کے وفادار اور قریبی ساتھیوں میں شمار ہونے لگے۔

۱۹۷۵ء میں شیخ صاحب اور مرکز کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کو کشمیر ایکارڈ کہتے ہیں جس کی رُو سے شیخ محمد عبداللہ جو نہ اس وقت اسمبلی کے رکن تھے اور نہ ہی قانون ساز کونسل کے کو عنان حکومت حوالے کی گئی۔ حالانکہ اسمبلی میں کانگریس آئی کی اکثریت تھی اور سید میر قاسم اس وقت وزیر اعلیٰ تھے بعد میں محاذ رائے شماری کو کالعدم قرار دے کر شیخ صاحب، بیگ صاحب اور ان کے ساتھیوں نے نیشنل کانفرنس کی تشکیل نو کی۔ ۱۹۷۷ء میں ریاستی اسمبلی کے انتخابات میں نیشنل کانفرنس کو بھاری اکثریت حاصل ہو گئی اس طرح شیخ صاحب کی وفات کے بعد ان کے فرزند ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے بھی ۱۹۸۳ء میں اسمبلی انتخابات میں اکثریت حاصل کی۔

۱۹۷۷ء میں نیشنل کانفرنس کی تنظیم کو نئے سرے سے تشکیل دیا گیا۔ تو بجبہاڑہ کانسچونسی کو ۲ بلاکوں میں تقسیم کرکے نئے تنظیمی انتخابات ہوئے جو اس طرح سے ہیں:

بلاک ۱ سترسنگھر تا کنلون

بلاک ۲ کنلون تا سلر و کھرم

ممبران بلاک کمیٹی: خواجہ غلام قادر ٹاک ایڈوکیٹ صدر بلاک، عبدالعزیز طوری، فقیر محمد خان، غلام حسن سگرو، خواجہ عمہ جو بانگی، جلال الدین حجام، بھوشن لال بٹ، خواجہ پیر حسن شاہ عرف پہاڑی، عبدالاحد چھپشو، گل محمد میر کستری ٹینگ، گل محمد بدرو نیوز ایجنٹ، ثناءاللہ تیلی، حکیم غلام رسول، عبدالغنی بٹ ایڈوکیٹ زور پارہ، غلام محمد ڈار ایڈوکیٹ، اعجاز احمد وانی۔

جماعت اسلامی نیشنل کانفرنس کے علاوہ بجبہاڑہ میں جماعت اسلامی بھی بحیثیت ایک سیاسی جماعت کے کام کرتی ہے اس جماعت کے تین الگ الگ یونٹ کام کرتے ہیں۔

PARENT ORGANISATION جماعت اسلامی ہے اور اس کے ساتھ منسلک دو یونٹ اپنا انفرادی وجود قائم رکھے ہوئے ہیں۔ PARENT-ORGANISATION میں غلام مصطفیٰ رفیقی (حال اننت ناگ) نورالدین ناظم عبدالغنی کینہ، غلام قادر ٹاک، حبیب اللہ جان، اسداللہ بٹ کھرم محمد سلطان ایڈوکیٹ، عبدالخالق ڈار چندہ پورہ، علی جو لٹو، محمد مقبول

گنائی - عبدالغنی بٹ گنگسی بگسال، عبدالرشید سلرو دکاندار، عبدالغنی تانترے، خواجہ عبدالغنی بانگی، غلام رسول گنائی وغیرہ۔

مفتی محمد سعید کے کانگریس صدر بننے کے دوران حلقہ کمیٹی کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ ممبران یوں ہیں :

عبدالرحمان ویری بلاک صدر۔ گل محمد ممبر حلقہ صدر بجبہاڑہ، گل محمد میراب (الیکشن انچارج) دوارکا ناتھ رینہ (میڈیکل) غلام احمد سلرو، منظور احمد ایڈوکیٹ زیرہ پارہ، غلام رسول شاہ، شمس الدین گنجو، غلام احمد المعروف محمد خالق، پروفیسر محمد عبداللہ پنو، ڈاکٹر پریم ناتھ میڈیکل، غلام نبی سنگھو، غلام احمد الائی، حاجی غلام نبی پانڈے، حاجی محی الدین خان، محمد عبداللہ رونشو، عبدالغنی ملک، کاکاجی جوتشی، غلام حسن ڈار زیرہ پارہ، عبدالصمد زرگر، عزیز جوگنو، — خورشید امام صاحب ایڈوکیٹ۔

حلقہ بجبہاڑہ کے سیاسی دانشور

۱) حاجی عبدالغنی ویری (ممبر اسمبلی۔ ورکنگ کمیٹی ممبر نیشنل کانفرنس)

۲۔ غلام نبی کلو (ڈسٹرکٹ سیکرٹیری کانگریس پارٹی) ۳۔ محمد عبداللہ نداف (ضلع صدر یوتھ کانگریس) ۴۔ غلام رسول امام (صوبائی صدر انجمن تبلیغ الاسلام) ۵۔ عبدالغنی بٹ ایڈوکیٹ (ضلع نائب صدر یوتھ نیشنل کانفرنس) ۶۔ عبدالغنی تانترے (صدر تحصیل جماعت اسلامی) ۷۔ غلام قادر ٹاک ایڈوکیٹ (صدر بلاک نیشنل کانفرنس)

ادب

۱۔ موہن لال آتش (صدر ادبی مرکز بجبہاڑہ، ادبی صلاح کار، ڈسٹرکٹ کلچرل ایسوسی ایشن اننت ناگ) نائب صدر مراز ادبی سنگم ڈسٹرکٹ آرگنائزیشن، ورکنگ کمیٹی ممبر کلچرل آرگنائزیشن سرینگر، ممبر فالواپ کمیٹی کمراز ادبی مرکز سوپور۔)

۲۔ پروفیسر غلام محمد شاد (سیکریٹری مراز ادبی سنگم بجبہاڑہ، جنرل کونسل ممبر کشمیر کلچرل آرگنائزیشن سرینگر)

۳۔ بشیر احمد نحوی (سیکریٹری اقبال میموریل اکاڈمی سرینگر)

۴۔ مسٹر ثناءاللہ نثار (ممبر ورکنگ کمیٹی اقبال میموریل اکاڈمی سرینگر)

کہکشاں (ڈاکٹر آف فلاسفی)

۱۔ ڈاکٹر الطاف حسین ٹاک (انگلش) ۲۔ ڈاکٹر نذیر احمد زرگر (سائنس) ۳۔ ڈاکٹر قاضی حمیداللہ (عربی) ۴۔ غلام نبی خاکی ایم فل (عربی)

۵۔ شری کشن لال ملہ (بجبہاڑہ کے پہلے گریجویٹ ۔ ٹیکنیشن آفیسر)

MEDICINE

۱۔ ڈاکٹر محمد سلطان (بجبہاڑہ کے پہلے ایم بی بی ایس ڈاکٹر)

۲۔ مرحوم حمید اللہ لٹو (F.R.C.S امریکہ)

۳۔ ڈاکٹر بشیر احمد گنیو (ایم، ایس، سرجن سپیشلسٹ)

۴۔ ڈاکٹر حمید اللہ شاہ (ایم ڈی، فزیشن سپیشلسٹ)

۵۔ ڈاکٹر عصمت الحفیظ (ایم ڈی، فزیشن سپیشلسٹ)

۶۔ ڈاکٹر غلام محمد وید (پہلے بلاک میڈیکل آفیسر)

ریڈنگ روم کے ابتدائی ممبران (ترقی پسند تحریک کا ابتدائی مرکز)

۱۔ ثناء اللہ ٹاک ایڈوکیٹ ۲۔ مرحوم غلام نبی طوری ۳۔ مرحوم محمد عبداللہ گنیو
۴۔ غلام نبی پال ۵۔ وید پرکاش ولد سرجیالال مندر ۶۔ رشی دیو زینہ پورہ
۷۔ غلام نبی کلر ۸۔ سومناتھ ملہ ۹۔ مفتی محمد سعید ۱۰۔ موہن لال آتش
۱۱۔ پروفیسر غلام محمد شاہ

بجبہاڑہ کانسیچونسی کے ممبران اسمبلی

خواجہ غلام مصطفےٰ ٹاک ۱۹۰۲ء ـ ۱۹۷۳ :۔ ٹاک صاحب جدید بجبہاڑہ کے معمار ہیں۔ انہوں نے اس قصبہ کو پر رونق بنانے کیلئے

بہت کچھ کیا ہے ۔ آج کل یہاں جتنی سرکاری عمارات کھڑی ہیں یا سرکاری دفاتر ہیں ان میں ۸۰ فیصد حصہ ٹاک صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے انہوں نے بجبہاڑہ کو سنوارا اور نکھارا ۔ ٹاک صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ انتہائی مہذب اور با اخلاق تھے ۔ صوم و صلواۃ کے پابند تھے وہ بزرگانہ شان وادا کے ساتھ جیئے ۔ بخشی غلام محمد کے عاشق تھے ۔ زندگی کے آخری دنوں تک بخشی صاحب کے وفادار ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے ٹاک صاحب کے زمانے میں بجبہاڑہ میں محاذ رائےشماری کا زبردست زور تھا ان اثرات کے تحت عام لوگوں نے ان کا ساتھ اس حد تک نہیں دیا جس حد تک بجبہاڑہ کی تعمیر نو دیکھنے پر ان پر فرض عائد ہوتا تھا ۔ ٹاک صاحب کی نظریاتی بالیدگی اپنی جگہ ایک مثال ہے ۔ ۱۹۳۹ء میں جب مسلم کانفرنس دو حصوں میں تقسیم ہوئی ۔ نیشنل کانفرنس کا الگ وجود قائم ہوا تو بجبہاڑہ میں نیشنل کانفرنس کی قیادت ٹاک صاحب نے سنبھالی حالانکہ ٹاک صاحب بجبہاڑہ کے اس علاقے میں بودوباش کرتے تھے جہاں کی اکثریت مسلم کانفرنس سے تعلق رکھتی تھی ۔ ٹاک صاحب بجبہاڑہ کے پہلے اسمبلی ممبر نامزد ہوئے ۔ ان کو ۱۹۵۸ء میں اسمبلی کے ایوان بالا کے لئے نامزد کیا گیا ۔ وہ ۱۹۶۳ء تک اسمبلی کے رکن رہے ۔ اسمبلی کی رکنیت ختم ہونے کے بعد ٹاک صاحب نے بجبہاڑہ کی جامع مسجد کی تعمیر نو کا کام ہاتھ میں لیا ۔ ٹاک صاحب کی کوششوں کا ثمر یہ ہے کہ آج بجبہاڑہ کی جامع مسجد جنوبی کشمیر کی مساجد میں فن تعمیر کی رو سے منفرد

مقام رکھتی ہے۔ ٹاک صاحب ۱۹۷۳ء میں اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے۔

غلام محمد میر المعروف زیلدار سلر : میر صاحب ۱۹۵۱ء میں حلقہ انتخاب بجبہاڑہ کے پہلے ممبر اسمبلی منتخب ہوئے۔ یہ آزادی کے بعد پہلا عوامی ادارہ قائم ہوا۔ جسے آئین ساز اسمبلی کہتے تھے۔ اس اسمبلی کے ذریعے پہلی بار عوامی نمائندوں کو حکومت کرنے کی اجازت ملی۔ میر سلر کو اس سہ رکنی کمیٹی کا ممبر نامزد کیا گیا جس کمیٹی نے بلا معاوضہ کسانوں میں زمین تقسیم کی اس کمیٹی کے چیرمین مرزا محمد افضل بیگ اور دوسرے ممبر شری کرشن دیو سیٹھی تھے۔

صدیوں کے دبے کچلے عوام نے انہونا سا خواب دیکھا عوام کو ایک عجیب وغریب تجربے سے گذرنا پڑا۔ کل تک جن لوگوں پر پولیس ڈنڈے برساتی تھی آج یہی لوگ حکومت کی طاقتور کرسی پر براجمان تھے۔ اس تبدیل شدہ سیاسی صورتِ حال نے کچھ غلط قسم کے رجحانات کو ہوا دی۔ مثلاً ایک تاریخی حوالہ ملاحظہ کیجئے:

WITH THE TRANSFER OF POWER, THERE APPEARED "HALQA PRESIDENTS" AND "MOHALLA PRESIDENTS" OF NATIONAL CONFERENCE ON THE SCENE WHO ASSUMED THE POWERS OF POLICE AND MAGISTRACY. PEOPLE WERE ROUNDED UP ON SUSPICION

FOR LEARNING TOWARDS PAKISTAN, SANGH OR KHALASA AND MARCHED TO LOCK-UPS. THIS STRUCK TERROR. IT TOOK MONTHS AND YEARS TO RESTORE LAW THIS WENT ON AS A SIDE SHOW OF THE POLITICAL DRAMA, WHICH HISTORY SHOULD MENTION: THE FIRST PAPULAR GOVT; HEADED BY HELENIN OF KASHMIR SHEIKH MOHD ABDULLA, HAD SEVEN MEMBERS: G.M. BAKSHI, M.A BEG, G.M SADIQ, S.L. SARAF, G.L DOGRA, COL. PEER MOHD AND SARDAR BUDH SINGH.

(KASMIR THEN AND NOW : PAGE 110)

اس افراتفری اور سیاسی بدنظمی میں جبکہ صدیوں کے ملبے سے ایک دبی کچلی قوم زندہ جاوید باہر نکلے تو اسے سنبھلنے اور حالات کو سمجھنے کے لئے کچھ وقت ضرور لگتا ہے تو اس میں انہونی باتوں کا ہونا تعجب انگیز نہیں مگر جہاں تک ذیلدار سلر کی خاندانی شرافت ولیاقت کا سوال ہے۔ انہوں نے اپنے علاقے میں غنڈہ ازم کو پنپنے نہیں دیا۔ بجبہاڑہ میں مسلم کانفرنس

کے زعما اور ورکروں سے کچھ زیادتیاں ہوئیں مگر جب یہ معاملہ ممبر اسمبلی کی نوٹس میں لایا گیا تو وہ اپنے کارکنوں پر سخت برہم ہوئے۔ اس اسمبلی نے کچھ فیصلے لئے جن کا سہرا میر سیبلر کے سر بھی جاتا ہے۔ زمین کا مالک جاگیردار کے بجائے کسان کو بنایا گیا۔ جاگیرداری سسٹم کو بلا معاوضہ ختم کیا گیا۔ سرکاری ٹرانسپورٹ نظام قائم کیا گیا۔ مہاراجہ چنانی اقتدار کو ختم کر کے اس کی مالگذاری حکومت جموں کشمیر کے تحویل میں دی گئی۔ ذیلدار اور نمبردار سسٹم کو جمہوری طریقے اور رائے عامہ سے قائیم کرنے کا بل پاس ہوا۔ عوام کو سود خواروں کے چنگل سے آزاد کر کے دبے کچلے عوام میں جینے کی امید اور زندگی سے پیار کرنے کا ڈھنگ سکھایا۔ میر سلر نے شیخ صاحب کے ساتھ اپنی فاضل زمین کسانوں میں تقسیم کی۔ آج کل ذیلدار صاحب کے فرزندار جمند محترم رفیع احمد میر پہلگام کانسٹوٹیچنسی کے ممبر اسمبلی ہیں۔ رفیع صاحب سلجھے ہوئے سیاسی لیڈر ہیں۔ اور اپنے حلقہ انتخاب میں خاصے مقبول ہیں۔ رفیع صاحب مارچ ۸۷ میں اس کانسچولنسی کے نمائیندے منتخب ہوئے۔

مفتی محمد سعید

مفتی محمد سعید بجبہاڑہ کے مشہور و معروف علمی ادبی اور مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا شجرہ نسب شیخ فتح الدین عبدالرحمان المعروف حاجی بابا سے جا ملتا ہے، جو بابا نصیب الدین غازی کے خلیفہ اول مانے جاتے ہیں۔ آپ ۱۱ دسمبر ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۸ء علی گڑھ سے قانون کی ڈگری حاصل کر کے سیاسی اکھاڑے میں اتر گئے۔ ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کی رکنیت حاصل کی۔ مفتی صاحب کے ڈی، این، سی میں شامل ہونے سے اس پارٹی کی عوامی ساکھ زیادہ مضبوط ہوئی۔ بخشی غلام محمد جیسے مردم شناس کو جب اس منچلے نوجوان کی صلاحیتوں کا علم ہوا تو اس نے مفتی صاحب کو خریدنے کے لئے دولت اور ثروت کے دروازے کھول دیئے مگر لاحاصل۔ مفتی صاحب کے پائے استقلال میں جنبش تک نہ ہوئی۔ آخر پارٹی سے وفاداری، تدبر، حوصلہ مندی اور فہم فراست نے ۱۹۶۲ء میں مفتی صاحب کو قانون ساز یہ جیسے پر وقار ایوان میں پہنچا دیا۔ آپ ۱۹۶۶ء میں نائب وزیر زراعت بن گئے۔ آپ کے ہی دور میں کشمیر سبز انقلاب کے دائرہ میں قدم رکھنے کے قابل ہوا۔ ایمونیا کھاد

کھاد کا استعمال ہونے سے زمین کی پیداوار کی صلاحیت میں آٹھ گنا اضافہ ہوا ۔ ۲۰ فروری ۱۹۶۷ء کو علاقہ مراز زبردست بھونچالوں کی زد میں آگیا ۔ قیامت کی سردی میں لوگ ایک مہینے تک گھروں میں نہیں سوئے ۔ تقریباً ۴۴ بھیانک بھونچال ریکارڈ کئے گئے اور ۲۰۰ کے قریب ہلکے جھٹکے محسوس ہوئے ۔ کافی مکانات دب گئے اور بیشمار عمارتوں کو جزوی نقصان پہنچا مفتی صاحب نے امدادی کاروائی کی جانچ کے لئے کھنہ بل ریسٹ ہاوس میں ایک ماہ تک کیمپ لگا کر عوام کے دکھ اور مصیبت میں عملی شرکت کی ۔

صادق صاحب کی وفات کے بعد سید میر قاسم وزیر اعلےٰ مقرر ہوئے تو مفتی صاحب کو کیبنٹ درجے کا وزیر بنادیا گیا ۔ مفتی صاحب سمیت وزارت میں مندرجہ ذیل وزراشامل تھے ۔ سید میر قاسم ، گردھاری لال ڈوگرہ ، ترلوچن دت ، مفتی محمد سعید اور عبدالغنی لون ۔ قاسم صاحب نے قلمدانِ وزارت سنبھالتے ہی تمام سیاسی قیدیوں مولانا مسعودی ، غلام محی الدین قرہ ، صوفی محمد اکبر وغیرہ کو رہا کر دیا ۔ اور بیگم شیخ محمد عبداللہ کو وادی میں داخل ہونے پر پابندی ہٹالی ۔ اسی دوران بنگلہ دیش آزاد ہوا ۔ اس جنگ نے محاذ رائےشماری کی سیاسی سوچ میں تبدیلی پیدا کی اور مرزا محمد افضل بیگ ، پارتھا

سازشی مذاکرات شروع ہوئے۔ ایک سمجھوتہ طے ہوا جس کے تحت سید میر قاسم کو اپنے ساتھیوں سمیت استعفیٰ دینا پڑا اور شیخ محمد عبداللہ نے ۱۹۷۵ء میں اسی سمجھوتہ کے تحت عنانِ حکومت سنبھالی۔ سید میر میر قاسم کو مرکزی حکومت میں وزیر بے قلمدان بنایا گیا۔ اور مفتی محمد سید صدر پردیش کانگریس مقرر ہوئے۔ بیرونی سطح پر کانگریس اور نیشنل کانفرنس میں اکارڈ تو ہوا مگر اندر ہی اندر بغاوت کا لاوا ابل رہا تھا۔ عوام کے دل میں ایکارڈ سے کوئی خوشی نہیں تھی۔ آخر یہ لاوا اس وقت پھوٹ پڑا جب اچانک ۱۹۷۷ء میں مفتی صاحب نے شیخ صاحب کے خلاف بجٹ سیشن میں عدم اعتماد کا بل پیش کر دیا۔ اسمبلی میں کانگریس پارٹی کی اکثریت تھی لہذا شیخ سرکار کی شکست دو ہاتھ دور رہ گئی۔ مگر یہ زبردست سیاسی قدم نہایت عجلت میں اٹھایا گیا۔ مرکزی سرکار جو جنتا پارٹی کے ہاتھ میں تھی۔ اس سیاسی منظر کا باریک بینی سے مشاہدہ کرنے لگی۔ شیخ صاحب کی کرشمہ ساز شخصیت نے اس سیاسی معرکہ میں محاذِ جنگ کا نقشہ ہی پلٹ دیا گورنر نے مفتی صاحب کو جو کانگریس پارلیمنٹری پارٹی کے لیڈر تھے حلف دینے کے بدلے اسمبلی کو ہی برخواست کیا شیخ صاحب اس غیر متوقع افتاد سے بیمار پڑ گئے۔ شیخ صاحب کی بیماری کی خبر جنگل کے آگ کی طرح ریاست میں پھیل گئی عوام جو کل تک شیخ صاحب سے ناراض و نالاں تھے اپنے سارے

شکوے اور شکایات بھول گئے۔ انہیں پھر شیخ صاحب کے تئیں محبت اور پیار کا سمندر اُمڈ آنے میں دیر نہ لگی شیخ صاحب کی عمر درازی وصحت یابی کے لئے جگہ جگہ دعائیہ مجلسیں آراستہ کی گئیں اس غم ناک و فکر انگیز ماحول میں الیکشن کا اعلان ہوا تو لوگوں نے نیشنل کانفرنس کے حق میں اس اکثریت سے ووٹ کا استعمال کیا کہ اکثر کانگریس کنڈیڈیٹوں کی ضمانتیں تک ضبط ہوئیں۔ شیخ صاحب کی وفات کے بعد فاروق صاحب وزیرِ اعلیٰ منتخب ہوئے۔ مفتی صاحب نے ایک حقیقت پسند لیڈر بن کر شکست کو تسلیم کر لیا ہے اور بدلے ہوئے حالات میں پارٹی کو استحکام بخشنے کا بیڑا اٹھایا۔ مفتی صاحب نے کانگریس کی قیادت کرتے کرتے اپنی ہمت، استدلال، انتظامی صلاحیت اور غیر معمولی ذہانت کا بھرپور مظاہرہ کیا یہ اُن کی کوششوں کا ثمر ہے کہ کانگریس پارٹی ایک زبردست سیاسی طاقت بن کر ابھری۔ مفتی صاحب کے دشمن بھی ان کی انتظامی صلاحیت کا لوہا ماننے لگے۔ ادھر فاروق صاحب کی انتظامی امور میں عدمِ توجہی، بیروکریسی کے بدترین رول اور انتظامی مشینری کی ناکامی سے لوگ حکمران جماعت سے بددل ہو کر جوق در جوق کانگریس پارٹی میں شامل ہونے لگے آئے دن کانگریس پارٹی کے جلسے جلوس اور مظاہرے ہوتے رہے اور بہت سے نوجوان بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ریاست

کے ہی نہیں، بلکہ ملک کے سیاست کار، دانشور، وکلا اور ادیب مفتی صاحب
کی اٹھان کو دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ تدبُّر اور تدبیر کے
اونچے زینے پر پہنچ کر مفتی صاحب نے پھر عجلت سے کام لے کر
پولیٹیکل ایڈوینچر کی شروعات کی۔ نیشنل کانفرنس کے چند ممبرانِ اسمبلی
کو کراس فلور کرا کے غلام محمد شاہ کی سربراہی میں ایک غیر مقبول وزارت
کو حلف دلوایا۔ اس وزارت کی حمایت کر کے مفتی صاحب نے کانگریس
پارٹی کے انجر پنجر ڈھیلے کر دیئے۔ لوگوں کی بھیڑ مفتی صاحب کے
دولت خانے کے صحن میں ملاقات کے لئے برف باری اور زبردست
دھوپ میں کھڑی رہتی مگر سب کے سب اپنے مطلب کے لئے مفتی صاحب
کے سامنے چاپلوسی کرتے اور انتہائی چالاکی سے اپنا کام نکال لیتے
کسی کے دل میں ان کے تئیں خلوص اور ہمدردی نہیں تھی۔ ادھر
فاروق عبداللہ جو عوام سے کٹ کر رہ گئے تھے راتوں رات شہیدوں میں
شمار ہونے لگے۔ لوگوں نے ڈاکٹر صاحب کے جملہ خطا معاف کر کے
ان کو پھر اپنی پلکوں پر بٹھایا۔ اس طرح مفتی صاحب ہی شیخ خاندان
کی ہر دلعزیزی اور فاروق صاحب کی عوامی امیج کو زندہ کرنے میں
غیر شعوری طور ممد ثابت ہوئے۔ مفتی صاحب ۱۹۸۶ء میں مرکزی
وزارت میں وزیر سیاحت مقرر ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں چند
وجوہات کی بناء پر کانگریس پارٹی سے الگ ہو کر جن مورچہ میں شامل
ہو گئے۔ (باقی صفحہ ۱۶۵ پر ملاحظہ ہو)

خواجہ سیف الدین ڈار

خواجہ سیف الدین ڈار ناٹل کے ایک معزز ذیلدار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں پہلے نیشنل کانفرنس کے سرگرم ورکر شمار ہوتے تھے۔ پھر مفتی صاحب کے کیمپ میں داخل ہوئے اور انتہائی دیانتداری اور وفاداری سے مفتی صاحب کا ساتھ دیا۔ اسی وفاداری کے صلے میں خواجہ صاحب کو پہلے اننت ناگ کوآپریٹو بنک کا چیرمین مقرر کیا گیا۔ ڈار صاحب نے خاندانی شرافت واقدار سے محبت اور مفتی صاحب کیساتھ گہری وابستگی کے عوض بہت سے ذاتی حریفوں کو جو ڈار صاحب سے پارٹی اور سیاست میں کافی سینئیر تھے پیچھے دھکیل کر جنوری ۱۹۷۲ء میں اپنے لئے اسمبلی کا منڈیٹ حاصل کیا اور اپنے حریف محمد سلطان ایڈوکیٹ کو ۸ ہزار ووٹوں سے شکست دیکر اسمبلی میں داخلہ حاصل کیا۔ مفتی صاحب اُس وقت ورکس منسٹر تھے اور دونوں سیاست کاروں نے مل کر حلقہ انتخاب بجبہاڑہ میں بہت سے تعمیری

۱؎ مفتی محمد سعید راقم کے بچپن کے دوست رہے ہیں۔ جہاں تک اُن کی ذاتی زندگی کا تعلق ہے یہ شریف النفس، لبرل اور شائستہ آدمی ہیں کالج کے زمانہ میں مندرجہ ذیل طلباء نے اننت ناگ میں سٹوڈنٹس یونین کی بنیاد ڈالی، مفتی محمد سعید، موہن لال آتش، پیر حسام الدین، محمد اشرف خان اور محمد مقبول ندیم۔ ہم پانچوں طلبا آپسمیں گہرے دوست تھے

مضوبوں کی تکمیل کی۔ خاص کر ہائی سکول بجبہاڑہ کو ہائیر سیکنڈری کا درجہ دیا گیا اور باغ داراشکوہ کی از سر نو تعمیر کی گئی۔ بھرم اور سری گفوارہ میں مڈل سکولوں کا درجہ بڑھا کر ہائی سکولوں میں تبدیل کیا گیا اور نیشنل بائی پاس سڑک کا منصوبہ تیار کیا گیا جس کی تعمیر حال ہی میں مکمل ہوئی اور بہت سے بیکار نوجوانوں کو روزگار مہیا کیا۔

حاجی عبدالغنی ویری (تاریخ پیدائش ۱۹۲۲ء)

قدرت کبھی اپنی تخلیق پر مسکراتی ہے اور یہی مسکان کسی کی کایا پلٹ دیتی ہے۔ بجبہاڑہ سے ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک گمنام سا گاؤں "ویری نوبوگ" آباد ہے اس گمنام گاؤں میں ایک متوسط مذہبی گھرانا جو صوم صلوات، پرہیزگاری اور خدمت خلق کے لئے مشہور تھا، میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ والدین نے "عبدالغنی" نام رکھا۔ بچہ پیدائشی کمزور اور لاغر تھا آخر جب چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو والدین نے کریما نام حق، قرآن حکیم اور گلستان بوستان پڑھانے کے بعد بجبہاڑہ سکول میں درج کرایا یہاں سے مڈل پاس کر کے اننت ناگ میں مزید تعلیم حاصل کرنے کیلئے سنٹرل ہائی سکول میں درج کرایا۔ میٹرک کی سیڑھیاں پھلانگتے ہی جسمانی کمزوری و مالی بحران نے اس شوق کو پورا نہیں ہونے دیا۔ تعلیم ادھوری چھوڑنے کے بعد والدین نے عبدالغنی کو زمینداری کرنے کے لئے بھیجا۔ مگر جسمانی کمزوری نے صاحب فراش کر دیا۔ آخر والدین

ـــــ نے عبدالغنی کو زمینداری کے لئے بھیجا مگر جسمانی کمزوری نے صاحب فراش کر دیا۔ آخر والدین نے فیصلہ کر دیا کہ یا تو درزی کا کام سکھایا جائے یا اپنا آبائی پیشہ پیر مریدی کرنے کے علاوہ گاؤں کی جامع مسجد کی امامت بھی سونپی جائے۔ عبدالغنی نے دونوں کام بیک وقت ہاتھ میں لے کر اپنی ذہانت کا ثبوت دیا۔ پھر شیخ صاحب اور بیگ صاحب کی رہنمائی میں عبدالغنی ویری دار و رسن کی آزمائش میں الجھ گئے محاذ میں شمولیت کرنے اور نیشنل کانفرنس کا ساتھ دینے کے وجوہات کا تجزیہ کرنے کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا کر ویری صاحب کی سیاسی زندگی کے پیچھے جذباتی، نفسیاتی اور طبقاتی وجوہات کارفرما تھا۔ اس میں نظریاتی یا سیاسی مغلوبیت کے بجائے شیخ صاحب کی ذات کے تئیں عقیدت اور اُن کی متحرک لیڈرشپ سے اُنس تھا۔ اسی لئے ویری صاحب نے شیخ صاحب کے ساتھ ساتھ کافی قربانیاں دی ہیں۔ جوانی کا اکثر حصہ جیلوں کی نظر ہوا۔ ویری صاحب بھلے مانس قسم کے آدمی ہیں۔ ان کے بولنے اور عوامی رابطے کے پیچھے وہی فطری سادگی جو دیہاتی عوام کا خاصہ ہے، جلوہ گر ہے۔

۱۔ یہی وجہ تھی کہ ویری صاحب

۱۹۷۶ سے آج تک برابر بجبہارہ کانسچونسی سے بطورِ ممبر اسمبلی منتخب ہو رہے ہیں۔ راقم نے جب ویری صاحب سے ان کی سیاسی زندگی کے بارے میں بات چیت کی تو انہوں نے کہا کہ " یہ ۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس دو الگ الگ پارٹیاں سیاسی اکھاڑے میں اُتر کر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہی تھیں مگر میں ان معاملات سے الگ اپنے کام میں مگن تھا۔ کیونکہ ہمارا گاؤں رسل و رسائل کی کمی کی وجہ سے کشمیر سے کٹا ہوا تھا مجھے کسی سیاسی تبدیلی کا زیادہ علم نہ تھا۔ ہاں کبھی کبھار ہمارے گاؤں کا کوئی آدمی سرینگر یا اسلام آباد جاتا تو وہاں کے حالات شام کو میرے دکان پر بیان کرتا۔ جہاں میرے یار دوستوں کی بھیڑ رہا کرتی تھی۔ مجھے بھی اسی پیغام رساں کے ذریعے حالات و واقعات سننے کا موقعہ ملتا۔ اسی دوران ایک رات کا واقعہ ہے کہ میں گہری نیند میں تھا کہ اچانک خواب دیکھا۔ زبردست طوفان آیا۔ بجلی کڑک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں۔ تیز آندھی سے مکانوں کے چھت اُڑ رہے ہیں۔ لوگ خوفزدہ ہو کر اِدھر اُدھر بھاگم بھاگ دوڑ رہے ہیں۔ قیامت کا سماں ہے۔ اسی میں ایک قدآور شخص مسجد شریف کے دالان پر چڑھ کر سریلی اور فرحت بخش میں اذان دیتا ہے " اللہ اکبر" اذان ختم ہوتے ہی

، طوفان تھم جاتا ہے بجلی اور بادل کی تندی ختم ہو جاتی ہے لوگ اطمینان کا سانس لیتے ہیں میں اس خوبرو موذن کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہوں اور میری آنکھوں سے اشکوں کا طوفان جاری تھا تھوڑی ہی دیر میں یہ خوبرو جوان مسجد شریف کے اندر چلا گیا تو میں نے ایک آدمی سے پوچھا "یہ کون صاحب ہیں؟ جن کی اذان سے یہ سارا طوفان تھم گیا وہ آدمی حیرت سے میری طرف دیکھ کر کہہ رہا ہے کیا تم اس کو نہیں جانتے "نہیں مجھے معلوم نہیں یہ نیک بخت آدمی کون ہے۔ اس کا نام شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہؒ ہے اُس آدمی نے جواب دیا۔ بقول ویری صاحب "یہی وہ وقت تھا جب میں نے شیر کشمیر کا دامن تھاما۔ میں نے شیخ صاحب کو عقیدت و احترام دیا۔ مجھے ان کے باطن میں قندیل روشن دکھائی دی۔ نتیجہ کے طور اس محبت کے پیچھے کوئی مصلحت کار فرما نہیں بلکہ میں اس کو روح کا عمل تصور کرتا ہوں۔ اور فاروق صاحب مجھے اسی عقیدت کی تعبیر دکھائی دیتے ہیں" یہ تھی ویری صاحب کی آپ بیتی۔ جہاں تک کار زار سیاست کا تعلق ہے ویری صاحب کی آدھی زندگی جیلوں کی نذر ہوئی۔ ویری صاحب جیل میں ہی تھے کہ والدین کا انتقال ہوا۔ دوسری بار اپنی شریک حیات کا وقت نزع تھا کہ پولیس نے گرفتار کر کے سنٹرل جیل پہنچا دیا۔ ویری صاحب نے ۱۹٦۷ء سے لے کر ۱۹۸۷ء تک

تین بار الیکشن لڑا اور ہر مرتبہ کامیابی و کامرانی نے ان کا ساتھ دیا۔ اگرچہ ان کے مدمقابل زبردست سیاسی سورما تھے مگر جیت ان کے ہی حصے میں آئی۔

ویری صاحب کی رہبری میں بجبہاڑہ کو تحصیل کا درجہ دیا گیا۔ یہ ان کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا قابلِ تعریف کارنامہ تصور کیا جاتا ہے

غلام نبی سُمجھی

فروری ۱۹۸۶ء میں کشمیر کی پُرسکون وادی میں پہلے الیکشن کی ہلچل پیدا ہوئی پھر اس ہلچل نے آندھی کی صورت اختیار کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ آندھی طوفان میں تبدیل ہوئی۔ اتنی دھول اڑی کہ کچھ دکھائی نہ دیا آخر جب سماں کچھ سکون پذیر ہوا تو مسلم متحدہ محاذ کا ایک نوخیز پودا غلام نبی سمجھی کی شکل میں اُگ آیا۔ لوگ حیرت سے اس ننھے سے پوٹے کو دیکھنے لگے۔ یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ کیا طوفان گلوں کی آبیاری بھی کرتا ہے۔ سمجھی صاحب بجبہاڑہ کی مٹی سے جنمے ہیں مگر انتخاب ہوم شلی بگ سے لڑا اور کامیاب ہوئے۔ جہاں تک ذہنی، فکری اور نظریاتی سطح کا تعلق ہے سمجھی صاحب کو ابھی ان مرحلوں سے گذرنا ہوگا۔ اور دکھانا ہوگا کہ شاہین کی پرواز ہمیشہ بلندیوں کی طرف ہوتی ہے۔

غلام نبی سمجھی سے بطورِ انسان میں اچھی طرح واقف ہوں۔ ایک برل، وسیع القلب اور شائستہ آدمی ہیں۔ تنگ نظر اور کوتاہ اندیش

نہیں۔ سوجھ بوجھ معاملہ فہمی اور قوت استدلال کے مالک ہیں یہی وجہ ہے کہ اتنی کم عمری میں ریاست کے سب سے بڑے ایوان میں داخل ہوئے آج تک سبھی صاحب کاروبار میں رہ کر موج اڑا رہے تھے مگر اب ان کے لئے امتحان کی گھڑی آن پہنچی ہے دیکھنا یہ ہے کہ وہ اس جلیل القدر منصب پر پہنچ کر اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں یا بقول کسے "جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا" والی ضرب المثل نہ بن جائے۔

خواجہ غلام قادر ڈار

آپ نے ۱۹۷۲ء میں اننت ناگ کانسیچونسی سے انتخاب لڑا ووٹوں کی شرح سے آپ تیسرے نمبر پر رہے جبکہ دوسرے امیدوارو کی ضمانتیں ضبط ہوئیں آپ نے ۳۵۸۰ ووٹ حاصل کئے۔ آپ جماعت اسلامی کی ٹکٹ پر الیکشن لڑ رہے تھے۔

مشاہیر بجبہاڑہ

لل دید: للہ عارفہ یا للی الیشوری جس کو عرفِ عام میں للہ ماج یا لل دید کہا جاتا ہے چودھویں صدی میں پانپور کے قریب "سیم پورہ" نامی قریے میں ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ وہ دنیاوی ہتھکنڈوں میں پھنستے پھنستے بھی نہ پھنس پائی۔ اس کی شادی کی گئی مگر خاوند اور سسرال والوں سے نبھا نہ ہو سکا۔ وہ بچپن سے ہی یادِ خدا میں محو رہتی تھی۔ وہ بھی زمانہ آیا کہ یہ عارفہ اور مجذوبہ کشمیر کے تمدن اور ثقافت پر بہت حد تک اثر انداز ہو گئی۔ اس کے ساتھ بے شمار کرامات منسوب کی جاتی ہیں۔ اس کی شاعری اس کی زندگی سب کچھ تو تاریخ کا حصہ بن گئی وہ شیو فلسفے سے بخوبی واقف تھی کشمیری بلا لحاظ مذہب و ملت آج تک لل دید کا احترام کرتے ہیں۔ لل دید کے حیات و فلسفے، کلام اور طرزِ اظہار اور فنی بلندیوں کے متعلق آج تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور یہاں اس کے کارناموں کو بیان کرنا مقصود نہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ لل دید جیسی عظیم شخصیت اور سخنور کو صرف بجبہاڑہ سے ہی منسوب نہیں کیا جا سکتا البتہ لل دید اور بجبہاڑہ کے مابین جو تعلق رہا ہے وہ واقعی اہم ہے۔ لوک روایت کے مطابق لل دید کے آثار بجبہاڑہ میں ہی دفن ہیں یہ مقبرہ جامع مسجد بجبہاڑہ کے شمالی کونے میں واقع ہے حال ہی میں اسے نئے سرے سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس مقبرہ کے ساتھ ہی ایک چھوٹی مسجد ہے جہاں مسلم خواتین نمازِ جمعہ ادا کرتی ہیں۔ ساتھ ہی سلطان سکندر

کے پیر و مرشد حضرت سعید محمد قریشی کا مرقد ہے حال ہی میں اس کی تجدید کی گئی ہے اس لوک روایت کے ساتھ ساتھ کچھ مورخین بھی یہی لکھتے ہیں کہ لل دید کی روح قفس عنصری سے بجبہارہ ہی میں پرواز کر گئی ۔ حوالہ تاریخ حسن :

" چوں آں بیگانہ خواست کہ در شبستان محبوب رود ۔ تفادہ آورد یکے زیر پائے گذاشت دوم بالائے سر ۔ گفتندش چہ مے کنی ؟ گفت از چشم نامحرماں پوشیدہ دارم ۔ ایں بگفت و دست بردست زد ۔ تغادہ بر تغادہ نشست ۔ مردماں حیران شدند ۔ تغادہ از تفادہ برداشتند وہ آں ہیچ نہ دیدند ایں قصبہ در بجبہاڑہ پرگنہ اسلام آباد متصل مقبرہ سعید محمد قریشی واقع شدہ ۔ مردماں آں جا زیارت مے کنند " ایسے ہی حوالہ جات " بہارستان شاہی " " اسرار الابرار " " ریاض الاسلام " " لل واکھ انی گریرسن " " رشی نامہ بابا کمال " " باغ سلیمان " " تاریخ کشمیری ادب " اور دوسری تواریخی کتب میں ملتے ہیں ۔

یاسمن رشی

یاسمن رشی بجبہاڑہ میں رہا کرتا تھا اس کے اور دو بھائی خلاصمن رشی و پلاسمن رشی تھے ۔ بعض تذکرہ نگاروں کا خیال ہے

کہ حضرت شیخ سالار الدین (سلر سنز) اور سدرہ ماجی کا نکاح یاسمن رشی نے کروایا تھا جبکہ بعضوں کا خیال ہے کہ یہ مبارک کام حضرت سید حسین سمنانی نے کیا تھا۔ شیخ سالار دین حضرت علمدار کشمیر کے پدر بزرگوار تھے۔

یاسمن رشی متقی و پرہیز گار تھے شب و روز یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ معمولی غذا کھاتے تھے آپ کی نیکی اور پرہیز گاری کا شہرہ ہونے لگا تو بادشاہ زمانہ ان کی ملاقات کے لئے حاضر ہو گئے۔ رشی نے بادشاہ کی اور التفات نہیں کیا۔ بادشاہ ناراض ہو کر چلا گیا اور رشی سے انتقام لینے کی سوچنے لگا۔ ایک مشہور رقاصہ تھی جس کا نام "نند تزلن" تھا۔ بادشاہ نے انعام واکرام کا وعدہ کر کے اس گل اندام سراپا عشوہ ناز کو رشی کے تقویٰ پر شب خون مارنے کے لئے آمادہ کیا۔ رقاصہ نے مردانہ لباس پہن کر رشی کے حضور میں قدم رکھا رات کے وقت اور بن ٹھن کے رشی کے پاؤں دبانے لگی رشی بیدار ہوتے ہی حیران ہوا "کون ہو؟ اور کیوں آئی ہو" رقاصہ انکساری کے ساتھ بولی۔ "رب العالمین نے جنت سے آپ کے لئے بھیج دیا۔ میں حور ہوں۔ رشی سادہ لوح تھا سازش کو نہ بھانپ سکا اور رقاصہ کے ساتھ مباشرت کر گیا۔

صبح ہوتے ہی رقاصہ انعام پانے کیلئے بادشاہ کے پاس

پہنچ گئی۔ بادشاہ نے کہا تمہارا بیان مبنی بر صداقت کیسے مانوں؟ رقاصہ نے کہا آپ رشی سے پوچھ سکتے ہیں۔ وہ جھوٹ بولنے والا نہیں بادشاہ کو رقاصہ کی بات پسند آئی اور رشی سے ملنے گیا رشی نے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا اور پیغام بھیجا "آج رات کو چور آیا تھا سب مال و متاع چرا کر لے گیا۔ بادشاہ کو اب ایک لٹے ہوئے آدمی کے پاس کیا ملے گا؟" بادشاہ یہ سن کر بے حد نادم و پریشان ہو گیا ادھر رقاصہ اپنے کئے پر پچھتانے لگی۔ فقیروں اور درویشوں کے حضور جا کر اپنے گناہوں کا علاج ڈھونڈنے لگی۔ انہوں نے کہا کہ اگر اپنے گناہوں سے توبہ کر کے مال و مویشی پالا کرو اس کی آمدنی غریبوں میں بانٹا کرو تو خدا تمہارے اس خطرناک گناہ کو معاف کرے گا یہ سن کر "نندہ رتن" بادشاہ کے پاس چلی گئی اور کہا، "بادشاہ سلامت مجھے ایک قطعہ زمین عنایت فرمایا جائے میں اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوں۔ ان مویشیوں کی خدمت کر کے خدا سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ بادشاہ نے بچھیاڑہ میں زمین کا ایک ٹکڑا دلوا دیا جس کو اسی "نندہ" کے نام پر بعد میں نندہ مرگ کہا جانے لگا اس قطعہ ارض پر آج کل قصبہ بچھیاڑہ کا عیدگاہ ہے اس میدان میں رقاصہ ایک مدت تک مویشی پالتی رہی اور اپنی آمدنی مسکینوں

اور محتاجوں میں بانٹ دی۔
(اقتباس: نورنامہ، مصنف بابا نصیب الدین غازیؒ ص ۵، تلخیص)

حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ

خاتم اولیاء ابوالفقراء   گوہر بے بہا ابوالفقراء
تارک نعم مایل فالودہ   غرق بحر رضا ابوالفقراء

(غلام محی الدین پودا، بجبہارہ)

حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کا اسم مبارک تاریخ حسنؒ کے مطابق نصیر الدین ہے۔ ابوالفقراء آپ کا لقب ہے۔ آبائی وطن ہزارہ پشاور کے قریب تھا۔ والد کا اسم مبارک حسن رائے تھا اور وہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے سردار تھے آپ کی ولادت دسویں صدی ہجری میں ہوئی ہے ۱۳ محرم الحرام بروز اتوار ۱۰۴۷ھ میں واصل بحق ہو گئے۔

ابوالفقراء بابا نصیب الدین غازیؒ مشائخین میں سے ہیں عالم و فاضل، اہل علم، اہل قلم، عارف و عابد اور صاحب کرامات اولیاء تھے بچپن سے ہی شوق جستجو اور زہد و ریاض میں مشغول رہا کرتے تھے۔ انکی پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ عمر بھر روزہ دار رہے تاریخ اعظمی میں مرقوم ہے: "بابا از مشاہیر مشایخ این دیار است از خودی باز با صعاف ریاضات و صحبت حضرات اشتغال نمود و گوئے سبقت از اکثر اقران خود ربودہ خلیفہ بدخشی حضرت شیخ بابا

داؤد خاکیؒ است و سوائے ایشاں فقراء بسیار را دیدہ تمام عمر ترک لذات گذاریندہ حتّے ترک فواکہ ربیعی و فرلفی و آب سرد ہم داشت تمام عمر بصیام و ترک حیوان نے بسر برد۔"

بابا داؤد خاکیؒ سے رُوحانی فیوض حاصل کرنے کے علاوہ اور بھی بے شمار مشائخین سے کسب فیوض کیا ہے عین شباب میں نفسِ امارہ کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے، دین اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے اور تجارب رُوحانی کے حصول کے لئے مختلف جگہوں کی سیاحت کی غرض سے آبائی وطن کو خیر باد کیا۔ بے شمار خلفاء آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ جہاں جہاں جاتے مساجد تعمیر کرواتے اور تبلیغ فرماتے کہا جاتا ہے کہ آپ ۱۴ کتابوں کے مصنف ہیں باکمال اہل علم و اہلِ فن بھی تھے اور سخنور بھی۔ ان کی شہرہ آفاق تصنیف نور نامہ ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے آپ کے متعلق یہ روایت تاریخی کتابوں میں درج ہے کہ آپ قبرستانوں کے علاوہ شمشانوں پر بھی فاتحہ پڑھتے تھے جب آپ سے پوچھا گیا حضور آپ ایسا کیوں کرتے تو فرمایا "میری آنکھ جو کچھ یہاں دیکھتی ہے تم نہیں دیکھ سکتے" مغل شہزادہ داراشکوہ بھی آپ کے حلقہ مریدی میں تھا۔ بابا داؤد خاکی کے فرزند ارجمند حضرت شیخ ابراہیم ۔۱۴ سال تک بجبہاڑہ میں مقیم رہے حضرت شیخ جس بستی میں رہا کرتے تھے آج بھی اسے خاکی محلہ کہتے ہیں۔ بجبہاڑہ میں حضرتِ غازیؒ کے چار خلفاء اہم خاندانوں

کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ عبدالاحد ناظم نے بابا لفیب الدین غازیؒ کے تئیں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ایک قصیدہ تحریر کیا ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ستہ وُہری للہ ناوتھ پانہ عشقنہ نارہ چھل
عاشقی ذاتس کُرتھ ترٚے خانہ تراوتھ درجنگل
نفسِ توسن رام کوٚرتھن اوٚنتھ بیٚشک راگہِ تل
شیخ خاکی اوے ہیتھ ارشادِ سلطانی ازل

(آپ نے سات سال کی عمر شریف ہی سے آتش عشق کو اپنے سینے میں جگہ دی، اللہ پاک کے عاشق ہو کر جنگلوں کو اپنا گھر بنایا۔ نفس کے گھوڑے کو بلاشک آپ نے اپنے قابو میں لایا حضرت بابا داوٗد خاکی سلطانِ ازل کا ارشاد لے کر آپ کے پاس حاضر ہو گئے)

بابا شیخ فتح الدین عبدالرحمان المعروف حاجی بابا

شیخ فتح الدین عبدالرحمان حضرت نفیب الدین غازیؒ کے خلیفہ خاص تھے آپ ۱۰۸۶ھ میں واصل بحق ہو گئے ہیں۔ سلطان سکندر کے بعد اسی نے بجبہاڑہ کی موجودہ خانقاہ (خانہ کعبہ کی طرز پر) تعمیر کی ہے جہاں درس و تدریس اور روحانی تربیت کا باقاعدہ سلسلہ جاری کیا گیا۔ حاجی بابا علاقہ پھاگ کے کنجہ لو بلاک میں نزدِ جامع مسجد خانقاہ راجور ماجہ میں ۱۴ سال تک خلوت نشین رہے۔ بجبہاڑہ آکر شادی کی

اور یہیں انتقال فرما گئے بابا محمد زاہد آپ کے فرزند ارجمند تھے
محمد زاہد کے چار فرزند اور ایک دختر نیک اختر تھی۔

حاجی بابا
|
محمد زاہد

بابا خیر اللہ — بابا محمد اشرف — عزت اللہ — ضیاء اللہ — دختر

ان ہی نیک سیرت بھائیوں نے بھیباڑہ میں چار خاندانوں کی بنیاد ڈالی اور بھیباڑہ میں جتنے بھی باکمال روحانی بزرگ، ادبی شخصیات، پختہ کار کاریگر، عارف باللہ، مفتی، صرف و نحو جاننے والے اور علمائے دین پیدا ہوئے ان میں ۹۰ فیصد لوگ ان ہی چار خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ چند اہم بزرگ ہستیوں، علمائے دین، بزرگانِ وقت اور رہروانِ سیاست کے اسمائے گرامی یوں ہیں:

مفتی محمد خضر مقبل، عبدالاحد ناظم، بابا عزت اللہ، بابا محمد احسن، مفتی محمد عبداللہ (برادرِ اکبر مفتی محمد سعید) بابا عمر شاہ، بابا خیر اللہ، مفتی محمد مقبول واعظ، مفتی محمد سعید، مفتی نور الدین ناظم، سید علی چوڑاری، بابا عبداللہ حافظ، شمس الدین گنائی المعروف گنجو پیر شمس الدین مقبل صاحب، غلام مصطفےٰ ناظم، مفتی سعد الدین غلام مصطفےٰ مصفا وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

عارف باللہ غفار صاحب

ولی مادر زاد غفار صاحب روحانی عظمت کے ستون مانے جاتے ہیں تقریباً ۲ سو سال گذرنے کے بعد بھی لوگ ان کا نام عزت واحترام کے ساتھ ایسے لیتے ہیں۔ جیسا کہ غفار صاحب ہم میں موجود ہیں۔ ان کے والد بزرگوار کا اسم گرامی محمد جوراولو تھا۔ ماں باپ نے بچے کا نام عبدالغفار رکھا۔ آپ بچپن سے ہی فکر و ذکر و عبادت الٰہی میں مشغول رہا کرتے تھے۔ آپ کا پیرو مرشد بھیاڑہ کا ہی ایک عمر رسیدہ و بزرگ تیلی تھا۔ مجاہدات کے علاوہ خدمت مرشد میں منہمک رہا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ طالب نے اپنے مرشد سے التجا کی "یا حضرت مجھے تمنا ہے کہ حضرت خواجہ خضر سے ملاقی ہو جاؤں۔ مرشد نے ہدایت کی کہ صبح منہ اندھیرے دریا میں نہانے کے لئے جاؤ۔ حسب ہدایت طالب نہانے کو چلا گیا۔ سحر کا وقت تھا نہا دھو کر فارغ ہوئے کپڑے پہنے تو اپنے سامنے خواجہ خضر کو دیکھا حضرت نے پوچھا " اے نیک بچے! مانگ کچھ اپنے لئے مانگ" عبدالغفار کم سنی اور تھرتھراہٹ کی وجہ سے کچھ سوچ نہ سکے۔ آخر تھوڑے تامل کے بعد کہا "حضرت مجھے دستِ غیب عنایت کیجئے" جواب ملا " مانگنے والے تمہاری مانگ پوری ہوگی۔ اب عبدالغفار اپنے مرشد کے پاس پہنچے اور مرشد نے کہا اس روحانی طاقت کو کبھی ذاتی مفاد کے لئے استعمال مت کرنا۔

عبدالغفار صاحب عمر بھر مسکینوں اور محتاجوں کی امداد کرتا رہا۔ مساجد کی تعمیر میں حد سے زیادہ پیش پیش رہا کرتا تھا آپ نے بجبہاڑہ میں کئی مساجد تعمیر کرائیں مثلاً اللہ داد ریشی مسجد، دھوبی مسجد، اپنی دکان کے باہر مسجد، قدیم پل کے نزدیک دیو کی یار بل کے پاس برلب دریا مسجد شریف (خزانہ مال مسجد) اس مسجد کے ساتھ ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ اس درسگاہ کے تمام مصارف خود برداشت کرتے تھے جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ کہ آپ صاحب کرامات ولی تھے۔ کرامات اولیائے کرام سے ظہور میں آتی رہتی ہیں آپ کی کرامات کا آج تک بجبہاڑہ میں چرچا ہے اور قصبے کے بزرگ ان کی کرامات کا ذکر آج بھی اکثر کیا کرتے ہیں۔ چند ایک کرامات یہاں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ ایک دن زبردست قحط سالی کے وقت آپ چھینٹ سازوں کے محلے سے گذرے۔ چھینٹ ساز آج تک بجبہاڑہ میں رہتے ہیں۔ چند چھینٹ سازوں پر نظر پڑی تو ان کے مرجھائے ہوئے چہرے دیکھ کر پوچھا آپ اس قدر خستہ کیوں ہو گئے ہیں۔ چھینٹ سازوں نے عرض کیا " حضرت سات دنوں سے کچھ کھانے کو نہ ملا "۔ غفار صاحب نے کہا" اس تختے کو ذرا سرک دو " چھینٹ سازوں نے ایسا ہی کیا۔ دیکھا کہ مرغن غذا کی تین رکابیاں پڑی ہیں۔ چھینٹ ساز حیرت زدہ

ہو کر قلندر کی طرف دیکھنے لگے مگر وہ جا چکے تھے۔

۲ے ایک دفعہ حج بیت اللہ کے سفر پر روانہ ہوئے سمندر میں طوفان آیا۔ جہاز ہچکولے کھانے لگا۔ حاجی صاحبان زار و قطار رونے لگے بھگدڑ مچ گئی غفار صاحب اپنی جگہ پر چادر اوڑھے لیٹے تھے بارہمولہ کا ایک حاجی قلندر کے پاس آکر انہیں جگانے لگا "کچھ خبر ہے! ہم ڈوب رہے ہیں غفار صاحب نے کروٹ بدل کر کہا "جاؤ سمندر سے کہو سکون میں رہے۔ تین بار ساگر سے یہی الفاظ دہراؤ۔ بارہمولہ کے حاجی صاحب نے ایسا ہی کیا تو واقعی طوفان تھم گیا۔

۳ے غفار صاحب دھوبی مسجد کے قریب اپنی ہمشیرہ شرم دید کے لئے ایک مکان تعمیر کروا رہا تھے منجھلی بہن رحمت دید نے بھائی کو کہا کہ شرم دید زیرِ تعمیر مکان کی نچلی منزل میں کرایہ داروں کے لئے کچھ دکانیں بنوانا چاہتی ہیں یہ سن کر غفار صاحب آگ بگولا ہو گیا۔ کیا میری بہن کے مکان کے نیچے لچے، لفنگے بیٹھا کریں اور اوپر میری بہن ہو گی۔ غفار صاحب نے مکان کی تعمیر کا کام رکوا دیا۔ شرم دید نے جب یہ خبر سنی تو زار و قطار رونے لگی کیونکہ اس نے ایسا کہا ہی نہیں تھا یہ کسی دشمن کی اڑائی ہوئی خبر تھی جو رحمت دید کے کانوں تک جا پہنچی تھی۔ شرم دید کے آنسو کسی

طرح تھمتے نہیں۔ آخر تیسرے دن غفار صاحب کی پیٹھ پر ایک پھوڑا نکلا۔ سات سو "زولو" (کشمیری ڈرکو) پھوڑے پر بٹھائی گئیں۔ مگر پھوڑا بڑھتا ہی رہا۔ غفار صاحب کی حالت دن بدن بگڑنے لگی۔ آخر جب ان کے بچنے کی امید نہ رہی تو ایک طالب نے پوچھا "حضرت کیا آپ کی نظر میں پھوڑے کا کچھ علاج ہے" قلندر نے فرمایا "جب تک شرم دید مجھے معاف نہیں کرتی پھوڑا ٹھیک نہیں ہوگا" سب لوگ حتیٰ کہ غفار صاحب کی اہلیہ محترمہ بھی شرم دید سے معافی مانگنے لگے۔ آخر پر بہن کا دل پسیجا بھائی کے پاس آئی۔ پھوڑے پر ہاتھ رکھا۔ دست بدعا ہوگئی اور چند دن میں پھوڑا ٹھیک ہوا غفار صاحب نے اپنے گناہ کی معافی مانگی اور شرم دید کا مکان تعمیر کرنے لگا۔ گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی غرض سے اپنے ہی باغ میں ایک حمام بنوایا جو آج تک ضلع اسلام آباد کا واحد حمام ہے۔ جہاں اکثر ناتواں اور کمزور کچھ دن گذار کر صحت یاب ہو کر چلے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آنگن میں ایک میٹھے پانی کا کنواں کھدوایا جہاں مسافروں کو پانی ملتا تھا۔ بجبہاڑہ میں باغ دارا شکوہ کی دوبارہ مرمت اور تزئین سے پہلے باغ غفار صاحب ہی تفریح کا واحد ذریعہ تھا۔ ہندو لوگ نورا تبرا کے دنوں اس باغ کی سیر کرتے ہیں۔

حکیم عمہ جو ٹاک

جنوبی کشمیر کا لقمان حکیم عمہ جو ٹاک تقریباً ۱۸۵۰ء میں بجبہاڑہ میں تولد ہوا۔ والد کا نام صدیق جو ٹاک اور دادا کا نام نبیر جو ٹاک تھا۔ حکیم صاحب کے دو بھائی تھے۔ خالق ٹاک اور خلیل جو ٹاک تینوں طب اور حکمت کے ماہر تھے عمہ جو ٹاک کا فرزند دلبند ارجمند حکیم غلام رسول ٹاک ہے۔

حکیم عمہ جو ٹاک اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا مگر عظمت و رفعت میں بڑے بھائیوں سے بہت آگے نکل گیا کہا جاتا ہے کہ میر صادق نام کا بزرگ کامل ان کے سارے خاندان کا مرشد تھا۔ میر صادق "ناڑن در" ننراڵ میں سکونت کرتے تھے۔ ایک دفعہ خلیل جو ٹاک سخت بیمار ہو گیا۔ جب افاقہ نہ ہو سکا تو بڑی منت سماجت کے بعد میر صادق کو بجبہاڑہ لایا گیا۔ پیر کامل کی توجہ سے بیمار صحت یاب ہو گیا۔ ایک دن پیر کامل عمہ اندھرے دریا سے نہا کر واپس آرہے تھے۔ راستے میں عمہ جو ٹاک مل گیا پیر کامل کی توجہ اس وقت حالت جلالی میں تھی۔ عمہ جو کو اپنے پاس بلایا اور کہا اپنا منہ کھولو۔ عمہ جو نے منہ کھولا مرشد نے منہ میں لعاب دہن ڈال کر کہا "تخت اور بخت آج سے تم کو ہی دیا گیا۔

اس واقعے کے بعد عمہ جوٹاک کی حکمت اور طب کے محیر العقول کارناموں کی شہرت ہونے لگی۔ صمد خان جو لداخ کا گورنر تھا، نے عمہ جوٹاک سے اپنی لڑکی کا رشتہ کرنا چاہا۔ آخر ایسا ہی ہوا۔ عمہ جوٹاک صمد خان کا داماد بن گیا۔ کچھ وقت کے بعد عمہ جوٹاک اور دوسرے بھائیوں میں ان بن سی ہونے لگی۔ پیر کامل کی ہدایت کے مطابق وہ بھی دور ہو گئی۔ حکیم عمہ جوٹاک کی غیر معمولی ذہانت اور شہرت دیکھ کر دونوں بھائیوں نے اپنی گدی چھوٹے بھائی کے حوالہ کر دی ان کی حکمت کے بے شمار واقعات آج تک مشہور ہیں۔

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے دستِ راست اور رئیسِ وقت عزیز میر بھو (راجپورہ) ایک وقت سخت بیمار ہوئے۔ قبض کی شکایات ہو گئی۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ مہاراجہ کے دو فیملی ڈاکٹر والٹن اور ڈاکٹر نیوہ کے علاوہ کئی مشہور حکیم علاج کرتے کرتے تھک گئے مگر رئیس کی حالت دن بدن بگڑنے لگی۔ آخر عمہ جوٹاک کو راجپورہ لے جایا گیا۔ مہاراجہ نے اپنی کار حکیم صاحب کو لانے کے لئے بھیج دی۔ جب حکیم عمہ جوٹاک اس کمرے میں داخل ہو گئے جہاں بیمار لیٹا تھا تو انگریز ڈاکٹر دیہاتی حکیم کو دیکھ کر زیرِ لب مسکرائے ڈاکٹروں اور حکیموں نے عزیز میر کے کمرے میں خوشبودار قہوہ اور رکابی میں گھی ملائے کلچے رکھوائے تھے تاکہ یہ دیکھ کر بیمار کو کھانے کی رغبت پیدا ہو جائے۔

حکیم عمر جو نے یہ چیزیں یہاں سے نکالنے کا حکم دیا۔ فوراً انجیر اور شیر مغز کا ایک پیالہ تیار کروا کر بیمار کو پلایا۔ کچھ وقفے کے بعد بیمار کا قبض ٹوٹ گیا اور ۲۷ دن کے بعد بخار اتر گیا۔ جب بیمار صحت یاب ہوا تو میر صاحب نے ٹاک صاحب کو ایک قیمتی شال اور ایک قیمتی گھوڑا اور پانچ سو روپے تحفۃً بھیجدیئے۔

۲ ایک دن ایک جانکار پنڈت جی کو راستے میں دیکھا۔ دیکھتے ہی حکیم صاحب نے کہا " سُنا ہے کہ آپ کی بیوی سخت بیمار ہے ابھی آپ کا آدمی میرے پاس آیا تھا آپ فوراً گھر جایئے۔ پنڈت جی فوراً گھر چلا گیا۔ ہمراہیوں سے حکیم صاحب نے کہا " یہ پنڈت جی چند گھنٹوں کا مہمان ہے اس نے صبح جو قشقہ اپنے ماتھے پر کھینچا ہے اس وقت تک خشک ہونے نہیں پایا ہے گھر پہنچتے ہی پنڈت جی عدم کو سدھار گیا۔

انتقال کرنے سے پانچ سال پہلے حکیم عمر جو ٹاک نے حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کے صحن پاک میں اپنے لئے لحد بنوائی اور ہر سال سرتا بہ قبر کی وسعت کے برابر اناج وغیرہ غرباء اور مساکین میں تقسیم کرتا رہا۔ آخر ۱۹۲۸ء میں ۷۸ سال کی عمر میں جہانِ فانی سے رخصت کر گیا۔

اکہ صاحب شورہ گرو

آپ باکمال صوفی بزرگ تھے۔ زبردست ریاضت و عبادت کرتے تھے۔ آپ کی کرامات آج تک مشہور ہیں ان کے جدِ بزرگوار قاسم صاحب نے جیا دیوی پہاڑی کے درمیان ایک غار کھدوائی تھی جس میں اس خاندان کے اہلِ کمال بزرگ آج تک ریاضت و عبادت کرتے آئے ہیں۔ اکہ صاحب علم رمل سے بھی واقف تھے ان کا سن ولادت ۱۸۷۸ء اور سن وصال ۱۹۴۲ء ہے۔ ان کے فرزند جناب محمد امین صاحب موجودہ سجادہ نشین ہیں۔ اکہ صاحب خوش پوش اور پُر جلال بزرگ تھے ہندو اور مسلم سب فرقے ان کے حلقۂ عقیدت میں شامل تھے محمد امین صاحب بھی غارِ اکہ صاحب میں محوِ عبادت رہتے ہیں راقم کے چچا جان شری دینہ لال تکو ان کے نزدیکی مریدوں میں شمار ہوتے تھے۔

شری مہتاب کاک

اورنگ زیب عالمگیر کا دورِ حکومت تھا کشمیر میں ایک ہندو صوفی منش "پیر پنڈت" رہتا تھا ان کو عرفِ عام میں "ریشی پیر کہتے ہیں۔ اس قلندر صفات سادھو کا پیرو

رشی کول تھا۔ رشی کول کے پوتے کا نام مہتاب کاک تھا جو بٹہ گنڈ بجبہاڑہ میں رہتا تھا۔ مہتاب کاک موجودہ صدی کے عظیم شیو فلاسفروں اور سنتوں میں شمار ہوتے ہیں اور موجودہ صدی کے مانے ہوئے شیو فلاسفر سوامی لکھمن جی (رشی برہم) کے گرو ہیں۔

ایک کرشن بھگت سنت

(مہیشر ناتھ جی فرصل (۱۸۹۰-۱۹۵۰))

مہیشر ناتھ در جس کو عرف عام میں "لولو جی" کہا کرتے تھے (کیونکہ آپ ڈاک خانہ میں بحیثیت ڈاک بابو کے فرائض انجام دیتے تھے) موضع فرصل یاری پورہ میں ۱۸۹۰ء کے قریب پیدا ہوئے۔ آپ کے گرو گوتم ناگ کے مہان رشی اور سنت سوامی گوانشہ کاک جی تھے۔ ساری عمر آپ بجبہاڑہ میں ہی رہے۔ ہمیشہ ذکر الٰہی میں محو رہا کرتے تھے۔ قصبے کے ہندو اور مسلمان ان کی زبردست عزت و احترام کرتے تھے۔ آپ جب گھر سے ڈیوٹی کے لئے روانہ ہوتے تو ہمیشہ زمین کی طرف دیکھتے کبھی سر اٹھا کر نہیں چلتے تھے کیا مجال ان کے دفتر جانے کے وقت کوئی عورت یا لڑکی چاہئے وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتی تھی سڑک پر آنے کی جرأت کرتی۔ لولو جی نے شریمد بھگوت کا منظوم کشمیری ترجمہ کیا ہے جو چھپ چکا ہے مگر کتابت

اور اشاعت کی دوسری خامیاں اس کی اہمیت میں بجائے اضافے کے تخفیف کر گئی ہیں۔ اُن کے چھوٹے صاحبزادے دینا ناتھ جی اس ترجمے کی جملہ خامیوں کا ازالہ کر کے حسن و خوبی کے ساتھ شایع کرانے کی کوشش میں ہیں۔ بوبو جی کے کچھ بھجن قبولِ عام حاصل کر چکے ہیں مثال کے طور ان کا یہ بھجن ہر مندر میں گایا جاتا ہے۔

بالہٗ زندہٖ چھم مٔے چھانٛی ماشے
نیتٕرن مٕنز گرشے جاشے

آپ ۱۹۵۰ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

(منشی محمد جعفر مقبل ۱۲۰۸ھ تا ۱۲۸۸ھ)

منشی محمد جعفر مقبل حاجی شیخ فتح الدین عبد الرحمان (حاجی بابا) خلیفہ اول حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کی چھٹی پشت میں سے تھے وہ ۱۲۰۸ھ میں تولد ہوئے اور ۱۲۸۱ھ میں فوت ہوئے۔ کلیات ناظم (کشمیری) کے صفحات میں مقبل کی تصانیف اور کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے جیسا کہ تحریر میں آیا ہے مقبل کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا وہ ایک مدت تک بچھواڑہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ دور دور سے طالب علم آکر تعلیم سے مالا مال ہو کر چلے جاتے تھے خود انہوں نے سعید سعد الدین ملارٹی سے کسب فیض کیا تھا۔ سعید سعد الدین

ملارٹی مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد رہے ہیں مقبل کی مندرجہ ذیل تصانیف فی الحال دستیاب ہیں :

۱۔ انیدۃ اذکار : یہ فارسی مثنوی مقبل نے ۱۲ ربیع الاول ۱۲۳۴ھ میں مکمل کی تھی اس وقت مقبل کی عمر صرف ۲۶ سال تھی ۔ ساڑھے چار ہزار اشعار پر مشتمل اس مثنوی میں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ، خلفاء اربعہ رض ، امام حسن و حسین علیہ السلام وغیرہ کے حالات طیبہ و مدح درج ہیں ۔

۲۔ منتخب المسائل : شرح ضروری خورد مصنفہ بابا نصیب الدین غازیؒ

۳۔ مجموعہ تعلیم القرائیں ۔

۴۔ شرح زاد الفقراء (زاد الفقراء مصنفہ بابا داؤد مشکواتی)

۵۔ قصاید در مدح شیخ مخدوم حمزہ ، میر سید علی ہمدانی ، بابا نصیب الدین غازیؒ ، بابا ہردی ریشی ۔

۶۔ غزلیات

(کسکوٹ)

۷۔ خطوط بنام فرزندان و احباب خصوصاً مولانا احمد یا تہالی ، محمد خضر مقبل کے وارثوں میں پیر شمس الدین مقبل صاحب خدا کے فضل و کرم سے بہ قید حیات ہیں اور فارسی کے علماء میں شمار ہوتے ہیں ان کے فرزند جناب پیرزادہ محمد مقبول مقبل نے ابو الفقراء کی سوانح حیات لکھی ہے جو اگرچہ مختصر سا خاکہ ہے مگر کافی معلومات کی حامل ہے

عبدالاحد ناظمؔ (۱۸۱۶ء - ۱۸۵۱ء)

عبدالاحد ناظمؔ کے والدِ بزرگوار کا اسم گرامی بابا نورالدین واعظ تھا حاجی بابا کے خاندان میں سے تھے۔ نورالدین واعظ کے والد بابا محمد احسن تھے جو ابنِ بابا عزت اللہ ابن بابا محمد زاہد بن حاجی بابا تھے۔ ناظمؔ صاحب کا سالِ ولادت ۱۸۱۶ء اور سالِ وفات ۱۸۵۱ء ہے انگریزی زبان کے مشہور شاعر شیلے کی طرح ناظمؔ نے بھی زندگی کے صرف ۳۶ بہاریں دیکھیں اور ابدی نیند سوگیا۔ ناظمؔ کو سخنوری کے لئے بہت کم مدت نصیب ہوئی مختصر مدت میں بھی اُسے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر کشمیری شاعروں کی صفِ اول میں جگہ پائی۔ اس نے کئی اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ اس کی مشہور و معروف مثنوی "زین العرب" کشمیری زبان کی اہم ترین مثنویوں میں شمار ہوتی ہے۔ نعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو خوب لکھا۔ اس کے لکھے ہوئے کچھ نعت آج تک قلب و نظر کو سکون و وسعت بخشتے ہیں۔ ناظمؔ صاحب کا ایک نعت "یا نبی گوشہ فریاد یادت تھاو" (اے محمد مصطفےٰ ؐ براہِ لطف و کرم ہماری فریاد سنی جائیں) زبردست مقبولِ عام ہوا ہے۔ مناقب اولیاء، مرثیہ وثرن، غزل، طنز و مزاح غرض ناظمؔ ہر میدان کا شہسوار تھا عبدالاحد ناظمؔ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی

بعد میں مفتی محمد خضر مقبل کے سامنے زانوے ادب تہہ کیا۔ عمر نے وفا نہ کی ورنہ ان کی دستیاب تخلیقات کے پیش نظر وہ بے شمار شہپارے کو تخلیق کرتے۔ کہا جاتا ہے اکبر بٹ بڈی گام عیش مقام، محی الدین مخزون نائل، کافی شاہ ڈیرہ پورہ، پیر غلام محمد گواری گام اور رسم شاہ وغیرہ ناظم کے شاگردوں میں سے تھے۔ ناظم کا کلام "کلیات ناظم" میں یکجا کر کے کلچرل اکاڈمی کے ذریعے شایع کیا گیا ہے کلیات پروفیسر غلام محمد شاد اور ناظم نے ترتیب دی ہے

علم جوتش

کشمیر علم جوتش کا مرکز قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ عہد سلاطین میں علم نجوم کی اہمیت کم ہوئی۔ سکھ دور حکومت میں اس کا از سرنو REVIVAL ہوا اور جیوتشی واسدیو شرما نے موجودہ جوتش ودھیا اور وجیشور جنتری کی ابتدا کی ہے۔ جوتشی واسدیو شرما سے آر، ایل سٹاین بھی ملنے کے لئے کشمیر آئے ہیں جیسا کہ انہوں نے راج ترنگنی میں اس کا حوالہ دیا ہے آج کل جوتش ودھیا کے ماہر پنڈت پریم ناتھ شاستری اور شری کاشی ناتھ جوتشی وجیشور جنتری کا کام چلا رہے ہیں۔

حصہ جغرافیہ

جدید و قدیم کُتب کی روشنی میں

قصبہ بجبہاڑہ سطح سمندر سے ۱۵۹۶ میٹر یعنی تقریباً ۵۰۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے طول بلد ۳۳ ڈگری ۴۴ فٹ شمالی ۴۸ ۷۴ ، ۳۳ اور عرض بلد ۷۵ ڈگری ۱۲ فٹ یعنی 75° 6' E

۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق بجبہاڑہ کی آبادی ۸۵۱۰ افراد

۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق بجبہاڑہ کی آبادی ۱۰۷۹۰ افراد

۱۹۸۸ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی ۱۶۳۱۲ افراد

یہ قصبہ دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر آباد ہے یہاں دریا کافی چوڑا ہے اس کے کنارے دونوں طرف اونچے ہیں۔

علاقہ بجبہاڑہ (وجیشور کھیتر) حلقہ انتخاب کی آبادی تقریباً ۹۰ ہزار کے قریب ہے۔ جب کشمیر میں آمد و رفت کا ذریعہ صرف کشتی رانی تھی اس وقت بجبہاڑہ ایک دریائی بندرگاہ کا کام دیتا تھا۔ علاقہ وچھن لیر، کھاورپورہ، شہورا، شوپیان اور کلگام تحصیل کا سارا کاروبار اسی دریائی بندرگاہ کے ذریعے ہوتا تھا۔ قصبہ کا ملحق علاقہ زیادہ تر میدانی ہے۔ بیچ میں اگر تھگ کریوہ کے دو ٹیلے ہیں۔ مغرب میں واقع کریوہ کی بلندی تقریباً ۸۴ میٹر ہے اس پر

جیا دیوی کا مندر ہے شمال کی طرف قومی شاہراہ اور دریا کے درمیان چکدر کا کریوہ ہے جس کی کافی تاریخی اہمیت ہے۔ دریا کے دائیں کنارے یعنی مشرق کی طرف بھی کریوہ پائے جاتے ہیں۔ تھیجی وارہ کا مندر اس کریوہ پر واقع ہے۔ کریوہ ہائے قدیم زمانے کی اور دنتنا کے میدانی علاقے میں جدید دور کی زرخیز مٹی پائی جاتی ہے اسمیں چکنی مٹی کی تعداد زیادہ ہے یہ زمین شالی، گندم اور سرسوں کے فصل کے لئے مفید تصور ہوتی ہے۔

علم جغرافیہ کے مطابق ایک معتدل جگہ پر آباد ہے۔ رسل ورسائل کی بہتات ہے کشمیر کے باقی علاقوں سے اونچائی کم ہونے کی وجہ سے موسم خوشگوار ہوتا ہے سردیوں میں زیادہ برف نہیں ہوتی۔ ڈوڈو کا پہاڑ بجبہاڑہ کے شمال و مشرق میں واقع ہے۔ اس کے جنوب میں چنار باغ ہے ساتھ ہی نیشنل پارک اور کنول سر (تالاب) ہے۔ باغ دارا شکوہ بجبہاڑہ کے جنوب مشرق میں واقع ہے یہ ماحول کی کثافت کو کم کرنے میں زبردست مددگار ثابت ہوا ہے کیونکہ اس باغ میں چنار کے بڑے بڑے درخت پائے جاتے ہیں جو کاربن ڈائیکسائیڈ کی مقدار کو بہت حد تک کم کرتے ہیں۔ قصبہ ڈھلوان زمین پر آباد ہے بارش کا پانی اس کی گلیوں اور سڑکوں کو دھو ڈالتا ہے۔ یہ قصبہ قومی شاہراہ پر واقع ہے۔ سرینگر سے جموں جانے والی قومی شاہراہ اسی قصبے سے ہو کر جاتی ہے۔

ENCYCLOPEDIA REPORT: (ROUTS OF BIJBEHARA)

"THE TOWN OF BIJBEHARA (A HISTORICAL PLACE) IS 47 KMS AWAY FROM SRINAGER. THROUGH THIS TOWN ONE ROUT RUNS ACROSS THE RIVER "VEYTH" AND GOES TO PAHALGAM VIA SALAR AND KULAR BOTH INCLUDED IN "BIJBEHARA PARGANA" THE ROAD RUNS THROUGH THE BANK OF LIDDER STREAM, ANOTHER ROUTE IN THE NARTH EAST DIRECTION GOES TO KHIRAM. - FROM BIJBEHARA A ROUT RUNS TO WEST. THIS CROSSES THE VISHAU STREAM AT AR WIN BEYOND THE ROUTE GOES TO ZAINAPORA, ANOTHER ROUTE RUNS TOWARDS SOUTH TO KULGAM AND TO SHOPIAN BIJBEHARA TO SHOPIAN 31 KM.

SANGAM THE CONFLUENCE OF THE VEYTH AND VISNU LIES AT A DISTANCE OF 5KMS FROM BIJBEHARA. BIJBEHARA TO ANANTNAG IS 8 KMS AND BIJBEHARA TO SRINAGER IS 47 KMS DISTANCE.

مہاتم کتابوں میں جغرافیائی تقسیم

"مہاتم" نام کی کتابیں علم جغرافیہ پر لکھی گئی دنیا کی قدیم ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ مہاتم کتابوں کا طرزِ تحریر پورانوں سے ملتا ہے۔ اس سے ان کی قدامت کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ کہتے ہیں کہ "مہاتم" کتابوں کا مصنف برنگیش ریشی تھا۔ جو شاہ آباد ڈورو کے "بدہار" گاؤں میں رہتا تھا۔ بقولِ تاریخ حسن "کشمیر کے مہاتم معلومات کا خزانہ ہیں" مہاتموں کا تذکرہ نیل مت پوران جیسی قدیم کتاب میں بھی ہوا ہے۔ اور کلہن کے سامنے بھی مہاتم رہے ہیں ان کتابوں میں قدیم کشمیر کے کلچر، تاریخ، ثقافت، فن، تمدن جغرافیہ، پہاڑ، جنگل، جھرنے، مذہبی تہوار، تالاب، چشمے، مسافر خانے، کھیت، معاشرتی زندگی، ادب، فنونِ لطیفہ، کاریگری، مصوری، سنگتراشی، رقص، طریقۂ عبادات، رسم و رواج، لوگوں کے عادات، پھل، میوے، عابد لوگ، عبادت گاہیں، وحشی جانور، پالتو حیوان، کپڑے و لباس کے طریقے، عورتوں کے زیورات، رنگوں کے اقسام، متبرک تہوار، دیومالائی کردار، لوک ادب، برادری اور انسانی رشتے، دیوتاؤں اور راکھسوں کی لڑائی، متبرک تیرتھ وغیرہ چیزوں کا تفصیل سے تذکرہ ملتا ہے۔ ریچھ بھارتہ کا حوالہ جن مہاتم کتابوں میں ملتا ہے، ان میں "وتستا مہاتم" "امریش مہاتم" "مارتنڈ مہاتم"

"لوکاریہ مہاتم" اور "وجبیشور مہاتم" خاص ہیں۔

وتستا مہاتم کے مطابق کشمیر کو چھ جغرافیائی خطوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ وانتر اننت ناگ سے لے کر گھمبیر سنگھم (موجودہ سنگم) تک علاقہ کو سیدہ کھیتر کہتے ہیں یعنی یہ بہت مقدس علاقہ ہے اور یہاں پر اگر آدمی من کی روشنی رکھتا ہو تو اُسے قدم قدم پر ایک ایک تیرتھ (مقدس جگہ) نظر آئے گی۔

وجبیشور کھیتر رنبی آرہ لتر اگلر سے شروع ہو کر کلر (پہلگام) تک پھیلا ہوا ہے۔ وتستا مہاتم میں وجبیشور کھیتر کے جن گاؤں کا تذکرہ ملتا ہے وہ ہیں واگہ ملمہ، مرہامہ، گھمبیر سنگھ، رنبی آرہ، سدا شیو آشرم (تھجی وارہ) لور اور کلر۔

کلہن وجبیشور کھیتر کا تفصیلی تذکرہ کرتا ہے تاریخ حسن میں بھی ان علاقوں کی تفصیل ملتی ہے جو بجبہاڑہ سے متعلق ہیں سٹاین نے بجبہاڑہ کی قدیم بستیوں کا یوں ذکر کیا ہے:

ABOUT TWO MILES SOUTH EAST OF MARHAMA AND NOT FAR FROM THE VITASTA WE FIND THE VILLAGE OF WAGHOM, WITH A SACRED SPRING KNOWN BY THE NAME OF AATIKARNA. THIS NAME SEEMS TO HAVE APPLIED FORMERLY TO THE PLACE IT SELF, WHICH

WE FIND THUS TWICE REERRED BY KALHANA. IT IS POSSIBLE THE "HASTIKARNA" WHERE "BHOJA" HARSA'S SON WAS TREACHEROUSLY MURDERED. JEOGRAPHICAL PORTION - M-A STEIN

چکدر کے بارے میں جغرافیائی رپورٹ

ABOUT ONE MILE TO THE SOUTH OF HASTIKARNA, THE VITASTA MAKES A GREAT BEND. THE PENINSULA. THIS FORMED IS ACCUPIED BY A "UDAR" OR ALLUVIAL PLATEAU, WHICH OWING TO IT'S HEIGHT AND ISOLATED POSITION IS A VERY CONSPICUOUS OBJECT IN THE LANDSCAPE. IT WAS ONCE SIGHT OF ONE THE OLDEST AND MOST FAMOUS SHRINES OF THE VALLEY. THE TEMPLE OF VISNU CHAKRADHARA. THE PLEATEAU IS STILL KNOWN AS "TSKDAR"

گھمبیر سنگم کے جغرافیائی حالات

THE FUNCTION OF VITASTA WITH THE GAMIRA

I.E. THE UNITED VISOKA AND RAMAN-YATAVI (RAMBYAR) HAS ALREADY BEEN MENTIONED ABOVE AS A TIRTHA.

مرہامہ

NOT FOR FROM THE GAMBIRA LIES THE VILLAGE OF MARHOM ON THE VITASTA MENTIONED BY JONARAJA UNDER ITS OLD NAME OF MADAVARAMA. THE FIRST PART OF THE NAME IS IDENTICAL WITH THAT OF "MADAVARAJA"

وتستا مہاتم کے مطابق اس گاؤں میں "مدوا" نام والی ایک عابدہ رہتی تھی جس کو عرفانِ ذات حاصل ہوا تھا۔ بقولِ سٹائین " مدوا آشرم اور مدوراج (علاقہ مراز) کے ناموں میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اسی مدوا کے نام پر اس گاؤں کا نام مدوا آشرم پڑا جو بگڑتے بگڑتے "مرہوم" بن گیا۔

پرانے زمانے میں امرناتھ یاترا جانے والے یاتریوں کیلئے یہاں ایک پڑاؤ تھا اور یہاں کے وشنو تیرتھ (جو چشمہ آج کل یخراج پورہ کے چناروں کے پاس واقع ہے) پر یہاں ٹھہرنا ضروری تھا

کرشنہ جو رازدان اور لالہ لکھمن مرہامہ کے باشندوں کی مہمان نوازی کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ امرنیش مہاتم میں مرہامہ کا کافی تذکرہ ملتا ہے

لور اور کلر

TURNING TO THE LAST PORTION OF THE DACHIN-PORA DISTRICT WHICH LIES IN THE LIDDER VALLEY, WE HAVE BUT FEW OLD LOCALTIES TO NOTICE, THE VILLAGE OF LIVER, SOME TEN MILES TO THE NORTH EAST OF VIJAYSHESWARA IS THE LEVORA OF RAJTARANGNI MENTION-ED AS A AGARHARA ESTABLISHED BY THE KING LAVA: KULAR ABOUT FOUR MILES HIGHER UP THE VALLEY AS IDENTIFIED BY AN OLD GLOSS WITH KURUHARA.

بجبہاڑہ اور راجا وجیانند

(آر ایل سٹائین کی نظر میں)

THE TOWN WHICH WE MUST SUPPOSE TO HAVE SPRUNG UP GRADULLY AROUND THE

TEMPE IS ASCRIBED BY THE KALHANA TO THE KING VIJAYA, BUT NOTHING ELSE IS RECORDED TO THIS RULER AND THIS MAY CAUSE A DOUBT AS TO HIS HISTORICAL EXISTANCE. IT IS SIGNIFICANT THAT THE TOWN IS DESIGNATED EITHER SIMPLE AS VIJAYESVARA OR AS VIJAYAKHSETRA IT IS POSSIBLE THAT THERE EXISTED A TOWN OF SOME IMPORTANCE ALREADY AT A COMPARATIVELY EARLY DATE.

بجبہارہ کا تاریخی و جغرافیائی جائزہ

THE ANCIENT TOWN WHICH ONCE STOOD IN THE POSITION INDICATED WAS EVIDENTLY SUCCEEDED BY VIJASWARA. THE PRESENT VIJBROR. THE LATTER POSITION OR PLACE SITUATED LESS THAN TWO MILES ABOVE TSKRADHARA RECIEVED ITS NAME FROM THE ANCIENT SHRINE OF SHIVA VIJAYESVARA

THIS DIETY IS WORSHIPPED TO THE PRESENT DAY AT VIJAYBROR. THIS SITE HAS EVIDENTLY FROM EARLY TIMES BEEN ONE OF THE MOST FAMOUS TIRTHAS OF KASHMIR. IT IS MENTIONED AS SUCH IN THE RAJTARANGNI AND MANY OLD KASHMIRIAN TEXTS (.M.A. STEIN, Geography portion of RAJTARAGNI)

تاریخ حسن کا حوالہ وجیشور مندر کے متعلق

در زالبیشری راجہ وجیانند در اوایل کلجگ ۴۳۳ تعمیر آں کردہ بود۔ سہ صد در ارتفاع داشت در جوف گنبد آں گاوے بہ طلسم معلق ایستادہ بود کہ کالبد او از فلزات صنعت کردہ بودند۔ دہ لک اشرفی در تلمیع تنبہ آں صرف شدہ بود۔ اہل ہنود بت کدہ را نہایت متبرک فی داشتند۔ راجہ اونتی ورمن در اوایل ۱۲۲۴ در عہد خود آں مرمت نمود۔ سلطان سکندر بر انہدام آں متوجہ شد ہنگام شکستن از سنگ ہائے آں شعلہ بر خاست۔ ہنود آں را حمل بر کرامات معبود خود می دانند۔ تاکہ از بنیاد آں سنگے ظاہر شد کہ بر آں منقش ۱۲۲۵ بود (بسم اللہ ستہ منتری تہ لشٹ وزیہ الیری) یعنی بسم اللہ افسونے است۔ کہ ویراں سے کُند وزیہ الیشری

سلطان سکندر از سنگ ہای آں خانقاہ بنا نمود۔ کہ آں وجیا ئر خانقاہ می گفتند۔ گلاب سنگھ خانقاہ ویران کردہ بُت خانہ خود بر لب دریا آباد ساخت۔

وجیشور مہاتم کے چند حوالہ جات

وجیشور مہاتم قدیم بجبہاڑہ پر لکھی گئی اہم جغرافیائی دستاویز ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بجبہاڑہ کی اصل آبادی وجیشور مندر کے ارد گرد ۲۰ کلومیٹر کے رقبہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ بجبہاڑہ میں مشہور زمانہ وجیشور مندر، مسافر خانے، دھرم شالائیں عبادت وریاضت کرنے کی پرسکون جگہیں اور ۶۸ کے قریب شوالے تھے۔ یہاں صرف براہمن، رشی اور ولواس دھارن کئے راجا لوگ ہی ٹھہر سکتے تھے۔ چکرور (چکدر) کا وشنو سوامن مندر لعل وجواہرات سے جڑا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ایک خوبصورت چشمہ تھا جس کے گھاٹ سنگ مرمر کے تھے اور چشمے کے چاروں طرف سونے کے بنے چار ستون تھے جن پر یاتری اشنان (نہانے) کے وقت کپڑے رکھتے تھے۔ بجبہاڑہ چاروں طرف دیودار کے گھنے جنگلوں سے ڈھکا ہوا علاقہ تھا۔ ان جنگلوں میں رشی لوگ دن رات یادِ الٰہی میں مگن رہتے تھے۔ شو فلاسفی پڑھانے کے چار مرکز تھے۔ مشرق کے مرکز کو "اوکی مکت" دکھن کے مرکز

کو "مہاکال" مغربی مرکز کو "ورس ترا" اور بیچ والے مرکز کو وجیشور کہتے تھے۔ ان مٹھوں کے ساتھ خوبصورت شوالے بھی بنے تھے

۲؎ وتستا (جہلم) وجیشور (بجبہاڑہ) کے مشرق میں تیر کمان کی شکل اختیار کرتی ہے اور اس کے مشرقی کنارے پر چند اہم گھاٹ مثلاً دیوکی یار، سیدھ یار اور ہرشچندر نام والے گھاٹ انسان کا دل لبھاتے ہیں۔ (صفحہ ۷)

۲؎ وجیشور (بجبہاڑہ) کی قدیم بستی ۲۰ کلومیٹر (۶ یوجن) رقبہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس قدیم منصوبہ میں وجیشور کھیتر (علاقہ بجبہاڑہ) پارجات پورہ (پازال پورہ) سے شروع ہو کر ٹینگیں، میلہ آورہ، ڈونی پاوا (دنت پاور) گمبھیر سنگم، مرہامہ (مدوا آشرم) گمبھیر گرام (کھرم) دوپت وہار (دوپت یار) گنٹا لکا پویم (گانٹل پورہ) گپت گنگا (خوشپورے کلاں) ستھقن (ہاے میتھن) چکردھر (چکدر) اترہ واکھ آشرم (واگہامہ) تک پھیلا ہوا تھا اور اسکی پنچایات میں ہرناگ، لوارا (لور) کلر وغیرہ علاقے شامل تھے

۳؎ راج ترنگنی میں وجیشور کھیتر کا شمالی کونہ سیل گرام (کچھ پچھٹو) تک پھیلا ہوا تھا۔ (جے بک ڈامر ورتن، ساتواں سرگ)

۴؎ وجیشور (بجبہاڑہ) سے اپنی محبت اور لگاؤ کا ذکر مصنف ان الفاظ میں کرتا ہے:

पृथिव्यां भारतं सारं, तत्रापि च हिमालयं।
तत्रापि सारं काश्मीरं, तत्रापि विजयेश्वरम्॥

دنیا میں سب سے عمدہ جگہ بھارت ہے۔ اس میں بھی عقیدت کی جگہ ہمالیہ پروت ہے اس ہمالیہ سے اہم کاشمیر ہے اور کاشمیر میں سب سے اہم جگہ وجیشور (بجبہاڑہ) ہے۔ اس شلوک کا حوالہ نیل مت پوران اور ہرچرت چنتامنی میں بھی آیا ہے۔

काश्मीर मण्डले पुण्ये विजयं,
लिङ्गमुत्तमम्।
तत्र सुश्रोणि सततं नित्यस्थोहम्,
वसाम्यहम्॥

کشمیر کے سب دیوالیوں (مقدس جگہوں) میں وجیشور کا استھل سب سے اہم ہے اس جگہ کی یاترا کرنا اور یہاں ٹھہرنا اچھے پھل اور نیک کرموں کی نشانی ہے۔

वितस्तोयं त्रिशूलेन,
शैलान्निष्क्रामतः यतः।
ततो वितस्ता नाम्नोयं,
प्रख्याता भुवनत्रये॥

جہاں وتستا ندی ہل کی شکل میں بہتی ہے یہاں سے تین کوس کے فاصلے تک یعنی گھمبیر سنگھم کی اس علاقے کی اہمیت کا اور اس کے تقدس کا سب کو احترام ہے اس کھیتر میں دھوم رشی جیسے مہان آتما کا آشرم بھی ہے۔

مکاتیب فکر ـــــ کشمیر شوازم

کشمیری پنڈتوں کی اکثریت شو فلسفہ کے "ادویت واد" سکول سے تعلق رکھتی ہے۔ اس فلسفہ کے مشہور و معروف مُفسّر کھیم راج بجبہاڑہ کے ہی رہنے والے تھے۔ وتستا مہاتم کے مطابق واگہ ہامہ اور ہرہامہ میں دو عظیم شو یوگنیاں سرسوتی اور مدوا رہا کرتی تھیں۔ کشمیر شو فلسفہ ۱ؔ وحدت الوجود کا قائل ہے ۲ؔ بت پرستی کا مخالف ہے ۳ؔ ادویت واد یعنی "ہمہ اوست" کا قائل ہے ۴ؔ ویدک فلسفہ کے برعکس دنیا کو مایا (خیالی) نہیں بلکہ حقیقت مانتا ہے ۵ؔ مذہب کی ظاہرداری کے خلاف عرفان ذات کا قائل ہے ۶ؔ ذات پات رنگ و نسل اور اونچ نیچ کا مخالف ہے۔ ۷ؔ دنیا کو آخرت کی تجربہ گاہ تصور کر کے اعمال اور افعال کے سدھار کو مانتا ہے ۸ؔ DISCOVERY تحقیق عقیدہ FAITH THOUGHT فکر پر بھروسہ کرتا ہے۔ ۹ؔ عظیم نور کے وجود کو گہرائی میں مشاہدہ کرنے یقین رکھتا ہے ۱۰ؔ یہ گروہ بندی یعنی SECTARIANISM پر یقین نہیں رکھتا ہے۔

مشہور شو فلاسفر اتپل دیو کا کہنا ہے:

HUMAN SOUL IS ENDOWED WITH CREATIVE POWER VIZ COMPREHENSION, ACTION AND SOVERENITY OF WILL - AMAN SHOULD

CHANGE IT IN A NEW WORLD. A BETTER AND HAPPIER WORLD FOR MAN KIND AS A WHOLE (PRATIBIGNIA KARIKA OF UTPAL DEVA - PAGE 108)

جو ہر ایک جاندار میں اپنے ہی وجود کا عکس دیکھتا ہے جو کسی سے نفرت نہیں کرتا جو ہر ایک کو بلا لحاظِ مذہب و ملت اپنے وجود کا حصہ مانتا ہے جو انسانیت کی ایکتا اور ارتقا میں یقین رکھتا ہے جب ایسا سوچ عام ہو جائے تو دکھ، مصیبت اور افسوس کہاں رہے گا۔ بجبہاڑہ میں موجودہ صدی کے عظیم شو یوگی سوامی مہتاب کاک ہو گذرے ہیں وہ موضع بٹہ گنڈ بجبہاڑہ کے رہنے والے تھے سوامی جی کے گرو مہاتما رام جی تھے۔ اور ان کے شیش موجودہ صدی کے مہان ادویت فلاسفر سوامی لکھمن جی (اشبری) ہیں دوسرے شیواچاریہ سوامی ودھیا دھر جی تھے یہ سرینگر کے رہنے والے تھے مگر بجبہاڑہ میں ان کا حلقہ اثر کافی وسیع تھا۔ ان کے پرم شیشوں میں سورگیہ کنٹھ جو تکو پٹواری، مہیشر ناتھ تکو، جوتشی نند لال، جوتشی شام لال، مہانند رام تکو اور سونہ کاک جوتشی تھے۔ آج کل بھی بجبہاڑہ کی زرخیز علمی ماحول میں ایسے دانشور ہیں جن کی شیو سدھانت پر کافی گہری نظر ہے ان میں شری وشو ناتھ جوتشی، پوشکر ناتھ تکو (فائینانشل ایڈوائیزر) اور شری باسکر ناتھ تکو شامل ہیں۔

تصوف

زمانہ قدیم سے آج تک بچیہاڑہ قلندروں، عارفوں اور روحانی سمندر کے غوطہ زنوں اور اعلیٰ پایہ کے صوفی مفکروں کا گہوارہ رہا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تصوف کا ایک مختصر سا تعارف پیش کیا جائے۔ لفظ "تصوف" صوف سے نکلا ہے۔ حضرت ابو ہاشم بن تبارک کوفی نے ۱۵۰ھ میں سب سے پہلے یہ اصطلاح استعمال فرمائی تھی۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم سے براہِ راست تربیت پانے والوں اور ان کی معیت میں ان کے فدائیوں کو "صحابہ رضؓ" کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضؓ سے تربیت پاتے والوں کو "تابعین" اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو تبع تابعین کہا جاتا ہے۔ کچھ وقت کے بعد اہلِ سنت سے یہ اصطلاح الگ اور اس پر عمل کرتے والوں کو صوفی کہا جانے لگا۔

تصوف مذہب کی ظاہرداری کے برعکس روح کی پاکیزگی اور تزکیہ نفس پر زور دیتا ہے۔ ایثار، قناعت، انسان دوستی، خوفِ خدا، آخرت پسندی اور عرفانِ ذات کا درس دیتا ہے۔ تصوف کا ابتدائی تصور سادہ یعنی زہد و تقویٰ پر مبنی تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے علمی اور فلسفی شکل اختیار کی۔ حضرت کرخیؒ، حضرت خواجہ حسن بصریؒ، ابو سلیمان الدارانی رہ

حضرت بایزید بسطامیؒ، ذوالنون مصریؒ، رابعہ بصریؒ، شیخ ابوالنصر سراج وغیرہ حضرات صوفیہ کرام نے اس فلسفے کی اساس عطا کی "و انزل اللہ" "یارسول اللہؐ! خدا نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی۔ آپ سے وہ باتیں کیں جو آپ کو پہلے معلوم نہ تھیں"

صوفیائے کرام اس آیت کو تصوف کا سرچشمہ قرار دیکر فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد علمِ باطن ہے۔ ایجادیہ، وجودیہ اور شہودیہ تصوف کے تین نظام ہیں۔ ایجادیہ نظام سے متعلق صوفی خدا کو ساری کائنات اور ماوراء سے الگ تصور کرتے ہیں۔ وجودیہ نظام سے متعلق اصفیاء فرماتے ہیں کہ ذات ہی جلوہ گر ہے اور صفات پوشیدہ ہیں۔ فارسی میں اس کو "ہمہ اوست" اور عربی میں ھوالکل کہتے ہیں۔ اس نظریئے کے پہلے مفکر شیخ اکبر محی الدین ابن عربی تھے۔ تیسرا نظام شہودیہ یا حلولیہ کہلاتا ہے۔ اسی فکری نظام کے قایل منصور ابن الحلاج اور دمشق کے ابی سلمان تھے۔ منصور نے فرمایا تھا "انا الحق" یعنی میں سچائی کا ظہور ہوں یا میں حقیقت ہوں۔ ان کے ہمعصر جنید بغدادی نے فرمایا "یعنی میں اور منصور ایک ہی ہیں مجھے اپنے جنون نے آزاد کیا اور اسے اپنی عقل نے مروا ڈالا۔

کشمیر میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے شیوازم کی اقدار موجود تھیں اور مسلمانوں کی آمد سے اسلام عام ہوتا گیا اور دو تہذیبوں کے ملن سے رشی تحریک نے جنم لیا۔ رشیوں نے اور سادات کرام نے

اسلام پھیلانے میں زبردست رول ادا کیا ۔ بجبہاڑہ نے بھی ریشیت کو پروان چڑھانے میں اپنا حصہ ادا کیا ۔ اللہ داد ریشی ، یاسمن ریشی پلاسمن ریشی ، خلاصمن ریشی ، ننہ بابہ صاحب ، زامت ریشی ، پیرشاہ ریشی اور دوسرے بزرگوں نے مدتوں تک عام لوگوں کو فیضان پہنچایا ہے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے ۔ حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کی روحانی عظمت سے کون واقف نہیں ؟ ان کی تشریف آوری سے بجبہاڑہ میں روحانی عظمت اور تصوف کا ایک لاانتہائی سلسلہ چل پڑا جو کہ صدیوں تک قائم رہا ۔ وہ خود عظیم روحانی پیشوا ، سخنور ، اور اہل قلم تھے حضرت غازیؒ کے خلیفہ اول حاج بابا کے خاندان میں بے شمار صوفی اور عالم پیدا ہوئے ۔ بابا نصیب الدین کے عقیدت مندوں میں مغل شہزادہ داراشکوہ بھی تھا ۔ حضرت غازیؒ کے پیر و مرشد حضرت بابا داؤد خاکیؒ کبھی کبھی بجبہاڑہ تشریف لاتے تھے ان کی یادگاروں میں قاضی کا پتھر (قاضی کنی) اور خاکی محلہ آج تک موجود ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ حاجی رتن بابا جسکی گپھا اب تک دامن کریوہ میں موجود ہے سترھویں صدی میں حج کی سعادت حاصل کر چکے تھے (روایت حاجی عبدالخالق) فیروز شاہ زبردست مرد قلندر ہو گذرے ہیں ان کا آستانہ عقیدت فیروز شاہ محلے میں ہزاروں عقیدت مندوں کی روحانی تسکین گاہ ہے ۔

بجبہاڑہ صوفیوں ، ریشیوں اور بزرگوں کا ایک بڑا مرکز رہا ہے حضرت بابا نصیب الدین سے براہ راست تربیت پانے والوں میں مندرجہ ذیل

بزرگان دین اور صوفی شامل ہیں:

شیخ فتح الدین عبدالرحمٰن حاج بابا، سید علی چوڑاری، بابا عبداللہ حافظ، شمس الدین گنائی، بابا عبداللہ گذریاتی، فیروز الدین مجذوب، بابا داؤد مِستکواتی، بابا داؤد گوہنی، خواجہ حسن تمل، شیخ یعقوب ساری، آخون مُلا طیب، بابا یوسف تیلونی، شیخ یعقوب دمانی ڈنگی وچھ، شیخ طاہر، شیخ حسن، سید مقصود شاہ، ورنوتہ بابہ صاحب وغیرہ۔ اس کے علاوہ سلسلہ تصوف بجبہاڑہ میں آج تک جاری ہے آج بھی یہاں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں جو صاحب بصیرت ہونے کے ساتھ ساتھ فکر و ذکر میں محو رہا کرتے ہیں۔ ان بزرگوں میں کئی اصحاب حال ہی میں جنت مکین ہوئے ہیں۔ زمانہ حال کے عارفوں میں محترم قاسم شاہ صاحب (مرحوم) خواجہ گُل جو زرگر (مرحوم) عارف باللہ احد شاہ صاحب مرحوم (مرحوم) عبدالاحد زرگر، محمد اسماعیل صوفی، محمد امین شورگرو صاحب قابلِ ذکر ہیں۔

ادب

بجبہاڑہ کا قدیم ترین ادبی سرمایہ امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں تباہ ہوگیا اور ہم تک نہ پہنچ سکا۔ عہدِ رفتہ کی یادگار کتب میں سے رانی سوریہ متی کی پشاچی زبان سے ترجمہ شدہ کتاب برہت کتھا، جسکے بیشتر حصہ سومدیو کے ذریعہ سے اہلِ کشمیر بخوبی واقف ہیں۔ اس کے علاوہ میرا اندازہ ہے کہ کلہن نے راج ترنگنی بھی بجبہاڑہ میں ہی لکھی گئی ہے

وہ اس طرح سے کہ ہرش کلہن کے وفادار وزیر چمپک کا بیٹا تھا۔ چمپک اپنے راجا کے آخری دنوں میں اس کے ساتھ رہا ہے اور چونکہ ہرش نے زندگی کا بیشتر حصہ وجیشور میں ہی گذرا ہے۔ قدرتی امر ہے کہ کلہن بھی اپنے باپ کے ساتھ ہی بجبہاڑہ میں رہا ہوگا اور بجبہاڑہ میں ہی وہ عظیم الشان لائبریری تھی جس کی مثال کشمیر میں نہیں ملتی اور جب ایک ستم ظریف فرمان روا نے بجبہاڑہ پر حملہ کر دیا تو سب سے پہلے اس لائبریری کو نذر آتش کیا۔ ۱۴ دن تک یہ نایاب کتب خانہ آگ کی لپیٹوں میں خاکستر ہوتا رہا ہے۔ نویں صدی میں بجبہاڑہ میں شیو فلاسفی کے عظیم دانشور "کھیم راج" پیدا ہوئے۔ جن کی شہرۂ آفاق تصنیف "سنوتی کھما نجلی" زمانے کی دستبرد سے بچ کر ہم تک پہنچی ہے۔ اس کے علاوہ نیم تاریخی کتب وجیشور مہاتم اور برنگیش سمہتا کی "وتستا مہاتم" آج تک موجود ہے۔ رانی سوریہ متی کے بارے میں یہ بات دلچسپ ہے کہ جب اس نے برہت کتھا کا ترجمہ مکمل کروایا تو اتنی خوش ہوئی کہ پانچ سو گاؤں براہمنوں میں بطور خیرات بانٹ دیں۔ لل دید کا گرو "سیدہ مول" بجبہاڑہ میں ہی رہتا تھا۔ اس کی تصنیف ہم تک نہیں پہنچی ہے البتہ لل دید کے ساتھ ان کا ایک شعری مکالمہ تبرکاً ہمارے پاس موجود ہے۔ حضرت بابا نصیب الدین غازی رح

ؔ۱ مگر کلہن نے کسی جگہ اس بات کا تذکرہ نہیں چھیڑا ہے کہ راج ترنگنی کہاں اور کن حالات میں تحریر ہوئی ہے۔

کی آمد سے یچھہاڑہ کا ادبی ماحول مہک اٹھا۔ حضرت غازیؒ خود عظیم عالم مورخ، صوفی اور سخنور تھے۔ اُن کا تحریر کردہ کشمیر کے رشیوں اور سادات کا تاریخی تذکرہ "نور نامہ" کے نام سے آج تک ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ لاثانی شعری کارنامہ فارسی ادب میں ایک قابل قدر کارنامہ ہے۔ حضرت غازیؒ کے خلیفے شہزادہ دارا شکوہ نے اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ کروایا تھا۔ یچھہاڑہ کے فارسی شعراء میں سے مفتی محمد جعفر مقبل عظیم المرتبت شخص تھا انہوں نے زبد الاذکار، منتخب مسائل، مجموعہ تعلیم الفرائض شرح زاد الفقراء وغیرہ نادر روزگار تصانیف بطور یادگار چھوڑی ہیں مقبل نے اپنے ۳۱ معتقد ہمعصروں کے نام لکھے ہیں جن میں نور الدین ناظم کے والد، جان محمد قانع، حسن زنگیر، حمید اللہ مصنف شکرستان، عبد الرزاق دلیر، محی الدین الفت، عبد اللہ توفیقی، ملا محمد کانچو، خواجہ خاوند محمود، محمد طیب رفیقی، شیخ احمد تارہ بلی اور سید سعد الدین طارقی (شاگرد حضرت عبد العزیز محدث دہلوی)۔ اسی زمانے میں یچھہاڑہ میں علمی اور ادبی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ عبد الاحد ناظم صرف ۳۶ سال زندہ رہا مگر کشمیری شاعری میں ان کا ایک منفرد مقام ہے ان کی تصنیف کردہ مثنوی "زین العرب" بہت مشہور ہے۔ ان کے دوست محمد مختلہ شاہ دلیو، غلام احمد قانع اور حاجی غلام نبی قانع آستان ناظم کے بعد بہت مدت تک زندہ تھے۔ شوہ سے ہنگ میں بابا خلیل محمد صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ اُن کی مثنوی "حضرت شمعون و زن ماکرہ"

چھپ چکی ہے۔ اسی خاندان میں سے مشہور غزل گو اور مادہ تاریخ کا ماہر اسد شاہ دیو پیدا ہوا ہے مگر ناظم کے بعد بجبہاڑہ کی بلند قامت ادبی شخصیت غلام مصطفٰے خواجہ ہیں۔ جنہوں نے ۴۰ ہزار اشعار پر مشتمل اپنی کتاب "قصص الانبیاء" تحریر کی ہے

غلام محی الدین لودہ المعروف مہدی صاحب فکر شاعر اور اونچے پایے کے سخنور تھے ان کی کچھ منظومات پروفیسر غلام محمد شاد کی ذاتی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ اسی طرح محمد افضل بابا اور ولی شاہ خاکی بھی مثنوی نگار تھے۔ دونوں اصحاب کی مثنویاں بالترتیب "سلیمانی" اور فارسی مثنوی مصنفہ ولی شاہ خاکی پروفیسر شاد کے پاس موجود ہیں ضیاء الدین انتر لواور اس کے بیٹے غلام رسول کا فرزند محمد شاہ زلفی اعلٰی درجے کے شعراء میں سے تھے۔ ضیاء الدین عقیل صاحب کا شاگرد تھا اور اس کی تصانیف "رسالہ بارہ ماہ باگے" اور "رسالہ علم القرأت" اب نایاب ہیں۔ البتہ تھوڑا سا کلام دستیاب ہے۔ محمد شاہ زلفی کی مثنوی "خون ریز بہ جواب گلریز" بھی اب نایاب ہے۔

زمانہ حال کے شعراء و سخن شناس

عبدالاحد رنجور ۱۹۰۵ میں ترودہ سرینگر میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸۴ء میں ملک عدم کو سدھارے۔ انہوں نے بجبہاڑہ میں شادی کی تھی۔ بسا اوقات یہیں سکونت کرتے تھے۔ بجبہاڑہ میں ان کا ایک ناٹکیتی

مکان ہے اور انہوں نے کچھ زرعی زمین بھی حاصل کی تھی۔ ان کی موت واقع ہونیکے ساتھ ہی کشمیری زبان میں صوفی شاعری کا آخری دور اختتام کو پہنچ گیا۔ آپ کشمیری صوفی شعراء میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کا کلام مختلف کتابچوں میں چھپ جانے کے بعد "ایک کلیات" میں یکجا کرا کے انہوں نے جیتے جی طبع کرایا۔ ریاستی کلچرل اکاڈمی نے ۱۹۶۲ء میں انکو دیگر مقتدر ادبی شخصیات سمیت خلعت فاخرہ سے نوازا زرگر صاحب کے طالبوں میں سے خواجہ گل جو زرگر جن کا کلام حال ہی میں چھپ گرآیا ہے قابلِ ذکر ہے۔ جناب محمد شاہ میقی جو حال ہی میں واصل بحق ہو گئے فارسی اور کشمیری دونوں زبانوں میں شعر گوئی کرتے تھے۔ "خضاِ سرو" میں اُن کی غزلیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ مرحوم غلام حسن منگر بھی اعلیٰ پایہ کے صوفی شاعر ہو گذرے ہیں۔

شاعروں کا ایک کاروان بقیدِ حیات ہے۔ جناب ارجن دیو مجبور ہمارے بزرگ شعراء میں سے ہیں آپ نے کشمیری زبان کی کافی خدمت انجام دی ہے۔ دو شعری مجموعے چھاپ گئے ہیں وادی کے تمام مؤقر اردو اور کشمیری رسائل میں اُن کے تحقیقی اور لسانی مضامین چھپتے رہتے ہیں۔ ہندی میں بھی لکھتے ہیں۔ سید رسول پونپر درجنوں کتابوں کے مصنّف ہیں۔ پروفیسر غلام محمد شاد اردو، فارسی اور کشمیری میں طبع آزمائی کرتے ہیں ان کی ذاتی لائبریری ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ تصوّف پر کشمیری میں ان کی کتاب بہت اہم ہے۔ غلام نبی آتش کی آجنگ تو منظوم و منثور

کتب چھپ چکی ہیں۔ صرف کشمیری زبان میں لکھتے ہیں۔ ۱۹۸۶ء میں ریاستی کلچرل اکاڈمی نے ان کو انعام سے نوازا اور ۱۹۸۱ء میں انہیں سوویٹ لینڈ نہرو ایوارڈ بھی ملا۔

ان کے علاوہ راقم بھی کشمیری اور اردو دونوں زبانوں میں لکھتا ہوں کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ ریڈیو کشمیر سے کئی ڈرامے نشر ہوئے اور ٹیلی ویژن کی فیچر فلم "علمدار" قومی انعامی مقابلے کے لئے منتخب ہوئی اور بہت سا مواد اب تک چھپا یا نہیں جا سکا ہے دیگر شعراء میں درج ذیل شعرا خاص اہم ہیں
جناب اومکار ناتھ شبنم (کشمیری زبان کا اہم طنز و مزاح نگار شاعر) جناب غلام حسن نجوی۔ جناب رئیس راتھر (ان کے تین شعری مجموعے طبع ہوئے ہیں)، رسول کنڈی پوری (ان کے چند کتابچے بھی چھپ چکے ہیں)، بشیر احمد نجوی، سلطان محمد سلطان، غلام نبی مخمور، محمد مقبول ریشی، عبدالسلام ہنڈو دلدار، مدہوش، غلام احمد اعجاز لولو، غلام احمد ڈار (بزرگ شعرا میں سے ہیں) سوم ناتھ مسافر، غلام احمد ٹاک، اندر سلیمی (ابھرتے ادیب اور آرٹسٹ)

درج ذیل افراد سخن فہم ہونے کے ناطے ادبی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتے ہیں: عبدالغنی بٹ (ایڈوکیٹ)، پریم ناتھ میڈیکل، غلام محمد ڈار (ایڈوکیٹ)، عبدالرحیم پتو (بنک منیجر)، پوشکر ناتھ کول، نور محمد سلرو، گل محمد مراب، غلام احمد سلرو (میڈیکل)، فقیر محمد خان، دوارکا ناتھ رینہ، پروفیسر عبدالغنی شاہ، پروفیسر مکھن لال ملہ، روشن لال کول، اوتار کرشن صراف، بدری ناتھ زتکو، غلام قادر بٹ (ایڈوکیٹ) عبدالرشید حجام، غلام محمد زرگر (ٹیچر) خواجہ سیف الدین پنڈت، غلام حسن خاکی (ماموں مفتی سعید)، محمد سلطان تیلی

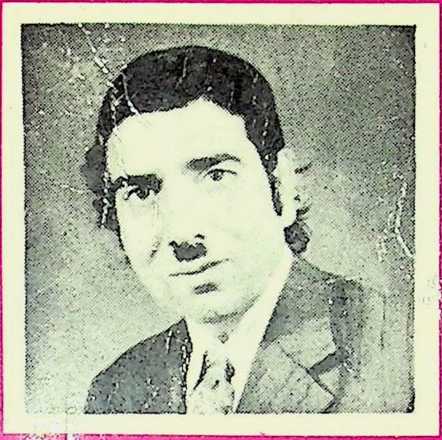

* کشمیری غزلوں اور نظموں کا مجموعہ — اُچھر وَنہٕ آلو
* کلیات عبدالاحد ناظمؔ (اشتراک) پروفیسر غلام محمد شادؔ

ناشر کلچرل اکیڈمی سرینگر

ناشر کلچرل اکیڈمی سرینگر

* تلمیحات
* کأشر ادبٕکۍ مولہٕ انہار
* ناگ مَت تہٕ کٔشیر
* انوکھا مُسافر (حصہ دوئم)